بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ   وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

شمارہ 25-26

شرح چندہ

سالانہ 700 روپے

بیرونی ممالک

بذریعہ ہوائی ڈاک

50 پاؤنڈ یا 80 ڈالر امریکن

80 کینیڈین ڈالر یا 60 یورو

جلد 67

ایڈیٹر

منصور احمد

نائبین

قریشی محمد فضل اللہ

تنویر احمد ناصر ایم اے

13-6 شوال 1439 ہجری قمری • 21-28 احسان 1397 ہجری شمسی • 21-28 جون 2018ء   Postal Reg. No. GDP/001/2016-18

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ○

فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا

(سورۃ آل عمران: 97، 98)

یقیناً پہلا گھر جو بنی نوع انسان (کے فائدے) کے لیے بنایا گیا، وہ ہے جو بکّہ میں ہے

(وہ) مبارک اور باعث ہدایت بنایا گیا تمام جہانوں کے لیے

اس میں کھلے کھلے نشانات ہیں (یعنی) ابراہیم کا مقام، اور جو بھی اس میں داخل ہوا وہ امن پانے والا ہو گیا

نیشنل پیس سمپوزئم لندن منعقدہ 17/مارچ 2018 کے موقع کی بعض دیدہ زیب تصاویر

مورخہ 4/مارچ 2018 کو مسجد بیت الفتوح لندن کے نئے بلاک کی تقریب سنگ بنیاد کی یادگار تصاویر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

’’تم تبلیغ کرو اور کسی کی ہدایت کا ذریعہ بنو‘‘

پیارے آقا سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی شدید تڑپ رکھتے تھے کہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں، اپنے خالق و مالک کو پہچانیں، توحید کا بول بالا ہو۔ نبی کا پہلا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ توحید کو جو زمین سے مٹ گئی ہوتی ہے، قائم کرے۔ لوگوں کے ایمان لانے کی ایسی تڑپ آپ کے سینے میں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حالت کا یوں اظہار فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تُو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لیگا کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خدا کی قسم! تیرے ذریعہ ایک آدمی کا ہدایت پا جانا اعلیٰ درجہ کے سُرخ اونٹوں کے مل جانے سے زیادہ بہتر ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ بن ابی طالب و بخاری کتاب الجہاد) (بحوالہ کتاب ’’حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 335)

اس ضمن میں چند ایک واقعات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں کہ کسی کے ایمان لے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر خوشی ہوتی تھی اور آپؐ اس بات پر کس قدر حریص تھے کہ لوگ اپنے ربّ، خالق و مالک پر ایمان لے آئیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا، وہ بیمار ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھ کر حال احوال پوچھا اور اسلام قبول کرنے کی بھی تحریک فرمائی۔ لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس کے باپ نے کہا۔ حضورؐ کی بات مان لو۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور خوش خوش وہاں سے یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ سب تعریفیں اس اللہ جل شانہٗ کے لئے ہیں جس نے اس نوجوان کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب اِذَا اَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلّٰى عَلَيْهِ) (بحوالہ کتاب ’’حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 586)

بے شک یہ آپؐ کا ایک فرض منصبی تھا کہ آپ دعوتِ اسلام کریں اور پوری زندگی آپ نے یہ کام کیا۔ لیکن اس دعوت و تبلیغ کے پیچھے بنی نوع انسان سے آپ کی کمال محبت و شفقت اور بے پناہ ہمدردی بھی کارفرما تھی۔ انبیاء بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسا کہ مادرِ مہربان اپنے بچوں سے کرتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ یہی وجہ ہے کہ خادم کے ایمان لے آنے اور اس کے نتیجہ میں اسکے آگ سے رہائی پا جانے پر آپ بہت خوش ہوئے۔ ایک اَور دلچسپ واقعہ عدّاس کے ایمان لانے کا ذیل میں درج کرتے ہیں۔

شوال 10 نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف اکیلے تشریف لے گئے یا بعض روایتوں کی رُو سے زید بن حارثہؓ بھی ساتھ تھے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے دس دن قیام کیا اور شہر کے بہت سے رؤساء سے یکے بعد دیگرے ملاقات کی، مگر اس شہر کی قسمت میں بھی مکہ کی طرح اس وقت اسلام لانا مقدر نہ تھا۔ چنانچہ سب نے انکار کیا بلکہ ہنسی اڑائی۔ آخر آپؐ نے طائف کے رئیس اعظم عبد یالیل کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی مگر اس نے بھی صاف انکار کیا بلکہ تمسخر کے رنگ میں کہا کہ ’’اگر آپؐ سچے ہیں تو مجھے آپؐ کے ساتھ گفتگو کی مجال نہیں اور اگر جھوٹے ہیں تو گفتگو لا حاصل ہے۔‘‘ اور پھر اس خیال سے کہ کہیں آپؐ کی باتوں کا شہر کے نوجوانوں پر اثر نہ ہو جائے، آپؐ سے کہنے لگا بہتر ہوگا کہ آپؐ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ یہاں کوئی شخص آپؐ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کے بعد اس بدبخت نے شہر کے آوارہ آدمی آپؐ کے پیچھے لگا دیئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے تو یہ لوگ شور کرتے ہوئے آپؐ کے پیچھے ہو لئے اور آپؐ پر پتھر برسانے شروع کئے جس سے آپؐ کا سارا بدن خُون سے تربتر ہو گیا۔ برابر تین میل تک یہ لوگ آپؐ کے ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور پتھر برساتے چلے آئے۔

طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکّہ کے رئیس عتبہ بن ربیعہ کا ایک باغ تھا۔ آنحضرت صلی

ہفت روزہ بدر ’’سیرۃ النبی ﷺ نمبر‘‘

فہرست مضامین

......☆......☆......☆......

اللہ علیہ وسلم نے اس میں آ کر پناہ لی اور ظالم لوگ تھک کر واپس لوٹ گئے۔ یہاں ایک سایہ میں کھڑے ہو کر آپؐ نے اللہ کے حضور یوں دُعا کی:

اَے میرے ربّ میں اپنے ضعفِ قوت اور قلّتِ تدبیر اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی بے بسی کی شکایت تیرے ہی پاس کرتا ہوں۔ اَے میرے خدا تُو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور کمزوروں اور بیکسوں کا تُو ہی نگہبان و محافظ ہے اور تُو ہی میرا پروردگار ہے...... میں تیرے ہی مُنہ کی روشنی میں پناہ کا خواستگار ہوتا ہوں کیونکہ تُو ہی ہے جو ظلمتوں کو دُور کرتا اور انسان کو دُنیا و آخرت کے حسنات کا وارث بناتا ہے۔

عتبہ و شیبہ اس وقت اپنے اس باغ میں موجود تھے۔ جب اُنہوں نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو دُور و نزدیک کی رشتہ داری یا قومی احساس یا نہ معلوم کس خیال سے اپنے عیسائی غلام عدّاس نامی کے ہاتھ ایک کشتی میں کچھ انگور لگا کر آپؐ کے پاس بھجوائے۔ آپؐ نے لے لیے اور عدّاس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کس مذہب کے پابند؟ اس نے کہا۔ میں نینوا کا ہُوں اور مذہباً عیسائی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا وہی نینوا جو خدا کے صالح بندے یونس بن متیٰ کا مسکن تھا۔ عدّاس نے کہا۔ ہاں۔ مگر آپؐ کو یونس کا حال کیسے معلوم ہوا؟ آپؐ نے فرمایا: وہ میرا بھائی تھا۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کا نبی تھا اور مَیں بھی اللہ کا نبی ہوں۔ پھر آپؐ نے اُسے اسلام کی تبلیغ فرمائی جس کا اس پر بہت اثر ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر جوشِ اخلاص میں آپؐ کے ہاتھ چُوم لیے۔ اس نظارہ کو دُور سے کھڑے کھڑے عتبہ اور شیبہ نے بھی دیکھ لیا۔ چنانچہ جب عدّاس ان کے پاس واپس گیا تو اُنہوں نے کہا عدّاس! یہ تجھے کیا ہوا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ چومنے لگا۔ یہ شخص تو تیرے دین کو خراب کر دے گا حالانکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔

(سیرت خاتم النّبیین مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ صفحہ 182 مطبوعہ 2004، قادیان)

عدّاس کے قبولِ ایمان کے متعلق چند سطور سلطان البیان سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں! آپ ضرور محظوظ ہونگے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

عداس نینوہ کا رہنے والا ایک عیسائی تھا۔ جب اس نے یہ انگور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے اور آپؐ نے یہ کہتے ہوئے اُن انگوروں کو لیا کہ خدا کے نام پر جو بے انتہا کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے، مَیں یہ لیتا ہوں، تو عیسائیت کی یاد اس کے دل میں پھر تازہ

باقی صفحہ 37 پر ملاحظہ فرمائیں

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں اُنہیں میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا
وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُنہیں پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے

❁ هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۚ وَهُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ (سورۃ الجمعہ آیت 3 تا 5)

ترجمہ:: وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں اُنہیں میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُنہیں پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ اور اُنہیں میں سے دوسروں کی طرف بھی (اُسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی اُن سے نہیں ملے۔ وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں :

(آیت نمبر 3) اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو استثنائی شان بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے اُوپر ایمان لانے والوں پر تلاوتِ آیات کے ساتھ ہی اُن کا تزکیہ فرماتے تھے، پیشتر اس سے کہ اُن کو کتاب کا علم یا حکمت بتائے جائیں۔ قرآن کریم کا یہ عظیم معجزہ ہے کہ اس سے پہلے سورۃ البقرہ:130 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دُعا مذکور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تعلق رکھتی ہے۔ آپؑ نے ایسے رسول کی بعثت کی دعا مانگی ہے جو اللہ کی آیات اُن کو پڑھ کر سنائے، پھر ان کو علم وحکمت سے آگاہ کرے اور اس کے نتیجہ میں ان کا تزکیہ کرے۔ اس دعا کی قبولیت کا تین جگہ ذکر ہے مگر تینوں جگہ یہی ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت آیات کے ساتھ ہی تزکیہ فرماتے تھے اور پھر کتاب وحکمت سے سکھانے کا بیان ہے۔ پس یہ قرآن کریم کا خاص اعجاز ہے جو 23 سال میں نازل ہوا لیکن اس کی آیات میں کہیں ایک تضاد بھی نہیں پایا جاتا۔

(آیت نمبر 4) اس آیت کریمہ میں جن آخرین کا ذکر کیا گیا ہے ان میں اسی رسول کی بعثت کا ذکر ہے جس کا گزشتہ آیت میں ذکر ہوا ہے۔ (هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا) لیکن اس آیت کے آخر پر وہ چار صفات الٰہیہ بیان نہیں کی گئیں جو آیت نمبر 2 کے آخر پر بیان ہیں بلکہ محض عزیز وحکیم کی دو صفات دوہرائی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس رسول کا آغاز میں ذکر ہے وہ دوبارہ خود مبعوث نہیں ہوگا بلکہ اس کا کوئی ظلّ مبعوث فرمایا جائے گا جو شرعی نبی نہیں ہوگا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق میں بھی یہی دو صفات الٰہیہ بیان ہوئی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔

❁ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ (سورۃ یونس آیت نمبر 17)

ترجمہ:: تُو کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ اللہ تمہیں اس پر مطلع کرتا پس میں اس رسالت سے پہلے بھی تمہارے درمیان ایک لمبی عمر گزار چکا ہوں تو کیا تُم عقل نہیں کرتے۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرک الزام لگاتے تھے کہ آپ نے خدا پر جھوٹ باندھتے ہوئے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا میں اس کی قطعیت سے تردید فرمائی گئی ہے کہ وہ رسول جس کو تُم صدوق اور امین کہا کرتے تھے دعویٰ سے پہلے چالیس سال کی عمر تک تو اس نے کبھی انسان پر بھی جھوٹ نہیں بولا اب اچانک خدا پر کیسے جھوٹ بولنے لگ گیا۔

❁ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ (سورۃ ہود آیت 18)

ترجمہ:: پس کیا وہ جو اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے اور اسکے پیچھے اسکا ایک گواہ آنے والا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے (وہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟) یہی (اس موعود رسول کے مخاطبین بالآخر) اسے مان لیں گے۔ پس جو بھی احزاب میں سے اس کا انکار کرے گا تو آگ اس کا موعود ٹھکانا ہوگی۔ پس اس بارہ میں تُو کسی شک میں نہ رہ یقیناً یہی تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں :

یعنی اس کی امت میں سے بھی ایک مامور پیدا ہوگا جو اپنے الہامات کے ذریعہ سے اس کی تصدیق کرے گا۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین گواہ حاصل ہیں۔ ایک تو خود دلائل رکھتا ہے۔ دوسرے اس کی امت میں سے اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کی سچائی کی گواہی دیں گے تیسرے اس سے پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اس کی سچائی پر گواہی دے رہی ہے۔ اتنی گواہیاں کسی اَور نبی کو میسر نہیں۔ (تفسیر صغیر صفحہ 353)

❁ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ○ (اَلصّف آیت 7)

ترجمہ :: اور (یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اَے بنی اسرائیل! یقیناً مَیں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں جو تورات میں سے میرے سامنے ہے اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتے ہوئے جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا پس جب وہ کھلے نشانوں کے ساتھ ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا یہ تو ایک کھلا کھلا جادُو ہے۔

❁ هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○ (اَلصّف آیت 10)

ترجمہ :: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے دین کے ہر شعبہ پر کلیۃً غالب کر دے خواہ مشرک بُرا منائیں۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی تشریح میں فرماتے ہیں :

(آیت نمبر 7) اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ احمدیت کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد کے طور پر بھی جلوہ گر ہوئے جس کی پیشگوئی حضرت موسیٰؑ نے فرمائی اور احمد کے طور پر بھی جس کی پیشگوئی حضرت عیسیٰؑ نے فرمائی۔

(آیت نمبر 10) اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمی نبی ہونے کا وضاحت سے ذکر موجود ہے۔ یعنی آپؐ کسی ایک دین کے ماننے والوں کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ تمام جہانوں میں ظاہر ہونے والے ہر دین کے پیروکاروں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور ان پر غلبہ پائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''یہ قرآن شریف میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی نسبت علماء محققین کا اتفاق ہے کہ یہ مسیح موعود کے ہاتھ پر پوری ہوگی۔'' (تریاق القلوب، رُوحانی خزائن جلد 15، صفحہ 232)

......☆......☆......☆......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اَطوار قرآن کے عین مطابق تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارُعب اور وجیہہ شکل وصورت کے تھے، چہرہ مبارک یوں چمکتا تھا گویا چودھویں کا چاند

آپ کی گفتگو مختصر لیکن فصیح و بلیغ پُرحکمت اور جامع مضامین پر مشتمل اور زائد باتوں سے خالی ہوتی

نہ کسی کی مذمّت و تحقیر کرتے نہ توہین و تنقیص، چھوٹی سے چھوٹی نعمت کو بھی بڑا اظاہر فرماتے، شکر گزاری کا رنگ نمایاں تھا

۞ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ پوچھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرنے میں بڑے ماہر تھے اور مَیں چاہتا تھا کہ یہ میرے پاس ایسی باتیں بیان کریں جنہیں میں گِرہ میں باندھ لوں۔ چنانچہ ہند نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارُعب اور وجیہہ شکل وصورت کے تھے۔ چہرہ مبارک یوں چمکتا تھا گویا چودھویں کا چاند۔ میانہ قد یعنی پستہ قامت سے دراز اور طویل القامت سے کسی قدر چھوٹا۔ سر بڑا۔ بال خم دار اور گھنے جو کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔ مانگ نمایاں۔ رنگ کِھلتا ہوا سفید۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو لمبے باریک اور بھرے ہوئے جو باہم ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ درمیان میں سفید سی جگہ نظر آتی تھی جو غصّہ کے وقت نمایاں ہوجاتی تھی ناک باریک جس پر نُور جھلکتا تھا جو سرسری دیکھنے والے کو اُٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔ ریش مبارک گھنی۔ رخسار نرم اور ہموار۔ دہن کشادہ۔ دانت ریخدار اور چمکیلے۔ آنکھوں کے کوئے باریک۔ گردن صراحی دار چاندی کی طرح شفاف جس پر سرخی جھلکتی تھی۔ معتدل الخَلق۔ بدن کچھ فربہ لیکن بہت موزوں۔ شکم وسینہ ہموار۔ صدر چوڑا اور فراخ۔ جوڑ مضبوط اور بھرے ہوئے۔ جلد چمکتی ہوئی نازک اور ملائم۔ چھاتی اور پیٹ بالوں سے بالکل صاف سوائے ایک باریک سی دھاری کے جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں اور کندھوں پر کچھ کچھ بال۔ پہنچے لمبے۔ ہتھیلیاں چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی۔ انگلیاں لمبی اور سڈول۔ پاؤں کے تلوے قدرے بھرے ہوئے۔ قدم نرم اور چکنے کہ پانی بھی ان پر سے پھسل جائے۔ جب قدم اٹھاتے تو پوری طرح اُٹھاتے۔ رفتار باوقار لیکن کسی قدر تیز جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں۔ جب کسی کی طرف رُخ پھیرتے تو پورا رُخ پھیرتے۔ نظر ہمیشہ نیچی رہتی۔ یوں لگتا جیسے فضا کی نسبت زمین پر آپؐ کی نظر زیادہ پڑتی ہے۔ آپؐ اکثر نیم وا آنکھوں سے دیکھتے۔ اپنے صحابہؓ کے پیچھے پیچھے چلتے اور ان کا خیال رکھتے۔ ہر ملنے والے کو سلام میں پہل فرماتے۔

(شمائل ترمذی باب فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 22)

۞ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کا بیان ہے کہ مَیں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے انداز کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یوں لگتے جیسے کسی مسلسل اور گہری سوچ میں ہیں اور کسی خیال کی وجہ سے کچھ بے آرامی سی ہے۔ آپؐ اکثر چپ رہتے۔ بلاضرورت بات نہ کرتے۔ جب بات کرتے تو پوری وضاحت سے کرتے۔ آپ کی گفتگو مختصر لیکن فصیح و بلیغ پُرحکمت اور جامع مضامین پر مشتمل اور زائد باتوں سے خالی ہوتی۔ لیکن اس میں کوئی کمی یا اِبہام نہیں ہوتا تھا۔ نہ کسی کی مذمّت وتحقیر کرتے نہ توہین و تنقیص۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت کو بھی بڑا اظاہر فرماتے۔ شکر گزاری کا رنگ نمایاں تھا۔ کسی چیز کی مذمّت نہ کرتے۔ نہ اتنی تعریف جیسے وہ آپؐ کو بے حد پسند ہو۔ مزیدار یا بدمزہ ہونے کے لحاظ سے کھانے پینے کی چیزوں کی تعریف یا مذمّت میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا آپ کی عادت نہ تھی۔ ہمیشہ میانہ روی شعار تھا۔ کسی دُنیوی معاملے کی وجہ سے نہ غصّے ہوتے نہ بُرا مناتے۔ لیکن اگر حق کی بے حرمتی ہوتی یا حق غصب کرلیا جاتا تو پھر آپ کے غصّے کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جب تک اس کی تلافی نہ ہوجاتی آپؐ کو چین نہیں آتا تھا۔ اپنی ذات کیلئے کبھی غصّے نہ ہوتے اور نہ اس کے لئے بدلہ لیتے۔ جب اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے کرتے صرف انگلی نہ ہلاتے۔ جب آپ تعجّب کا اظہار کرتے تو ہاتھ کو اُلٹا دیتے۔ جب کسی بات پر خاص طور پر زور دینا ہوتا تو ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے اس طرح ملاتے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو مارتے۔ جب کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھتے تو منہ پھیر لیتے۔ اور جب خوش ہوتے تو آنکھ کسی قدر بند کرلیتے۔ آپؐ کی زیادہ سے زیادہ ہنسی کھِلے تبسّم کی حد تک ہوتی یعنی زور کا قہقہہ نہ لگاتے۔ ہنسی کے وقت آپؐ کے دندان مبارک ایسے نظر آتے تھے جیسے بادل سے گرنے والے سفید سفید اولے ہوتے ہیں۔

(شمائل ترمذی باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 23)

۞ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے نہ تو بہت زیادہ لمبے اور نہ چھوٹے قد والے۔ آپؐ کا رنگ نکھرتا سفید تھا نہ بہت زیادہ چِٹّے اور نہ گہرے گندم گوں رنگ والے تھے۔ آپؐ کے بال ایک حد تک سیدھے تھے نہ بہت زیادہ گھنگرالے اور نہ بالکل سیدھے۔ آپؐ جب مبعوث ہوئے اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ بعثت کے بعد دس سال مکّہ رہے اور مدینہ میں دس سال قیام رہا اور جب آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے۔

(المعجم الصغیر للطبرانی، باب الجیم من اسمہ جعفر صفحہ ۱۱۸ جلد اوّل بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 24)

۞ حضرت سعد بن ہشام بن عامر بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؓ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کے بارہ میں ہمیں کچھ بتائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضورؐ کے اخلاق واطوار قرآن کے عین مطابق تھے۔ پھر پوچھا کہ کیا تم نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا ’وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ‘ کہ اَے رسول تو یقیناً اخلاق کے اعلیٰ ترین مقام پر ہے۔

(مسند احمد صفحہ ۹۰ جلد ۶، دلائل النبوۃ للبیہقی صفحہ ۳۰۹ جلد اوّل بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 24)

۞ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک رات چاند پورے جوبن پر تھا اور اِدھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرخ دھاری دار چادر میں ملبوس تھے۔ اُس رات کبھی میں رسول اللہ کے حسنِ طلعت پر نظر ڈالتا تھا اور کبھی چمکتے ہوئے چاند پر، پس میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ حسین لگ رہے تھے۔ (ترمذی، ابواب الادب)

......☆......☆......☆......

وہ ایک شہزادہ اور رُوحانی بادشاہوں کا سردار ہے جسکو دُنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی جائیں گی

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

”جب یہ آیتیں اُتریں کہ مشرکین رِجس ہیں، پلید ہیں، شرّ البریّہ ہیں، سفہاء ہیں اور ذُرّیت شیطان ہیں اور ان کے معبود وقود النّار اور حصب جہنم ہیں تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ اَے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تُو نے ان کے عقل مندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کو شرّ البریّہ کہا اور ان کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنّم اور وقود النّار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذرّیت شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اَے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ مَیں موت کے ڈر سے اظہار حق سے رُک نہیں سکتا۔ اور اَے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں۔ مَیں احکام الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہا لذت ہے کہ اس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقت نمایاں ہو رہی تھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابوطالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں تیری اِس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تُو اور ہی رنگ میں اور اَور ہی شان میں ہے جا اپنے کام میں لگا رہ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔“ (ازالہ اوہام، رُوحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام حاشیہ میں فرماتے ہیں :

یہ سب مضمون ابوطالب کے قصہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام عبارت الہامی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی۔ صرف کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔ اس الہامی عبارت سے ابوطالب کی ہمدردی اور دلسوزی ظاہر ہے۔ لیکن بکمال یقین یہ بات ثابت ہے کہ یہ ہمدردی پیچھے سے انوار نبوت وآثار استقامت دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔ ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو چالیس برس ہے بیکسی اور پریشانی اور یتیمی میں بسر کیا تھا۔ کسی خویش یا قریب نے اس زمانہ تنہائی میں کوئی حق خویشی اور قرابت کا ادا نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ روحانی بادشاہ اپنی صغرسنی کی حالت میں لاوارث بچوں کی طرح بعض بیابان نشین اور خانہ بدوش عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور اُسی بے کسی اور غریبی کی حالت میں اس سیّد الانام نے شیرخوارگی کے دن پورے کئے اور جب کچھ سن تمیز پہنچا تو یتیم اور بے کس بچوں کی طرح جن کا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا اُن بیابان نشین لوگوں نے بکریاں چرانے کی خدمت اُس مخدوم العالمین کے سپُرد کی اور اُس تنگی کے دنوں میں بجز ادنیٰ قسم کے اناجوں یا بکریوں کے دُودھ کے اور کوئی غذا نہ تھی۔ جب سن بلوغ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے لئے کسی چچا وغیرہ نے باوجود آنحضرت کے اوّل درجہ کے حسن و جمال کے کچھ فکر نہیں کی۔ بلکہ پچیس برس کی عمر ہونے پر اتفاقی طور پر محض خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک مکّہ کی رئیسہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے پسند کر کے آپ سے شادی کر لی۔ یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس جیسے موجود تھے اور بالخصوص ابوطالب رئیس مکہ اور اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور دنیوی جاہ وحشمت و دولت و مقدرت بہت کچھ رکھتے تھے مگر باوجود ان لوگوں کی ایسی امیرانہ حالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ایام بڑی مصیبت اور فاقہ کشی اور بے سامانی سے گزرے یہاں تک کہ جنگلی لوگوں کی بکریاں چرانے تک نوبت پہنچی اور اس دردناک حالت کو دیکھ کر کسی کے آنسو جاری نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شباب پہنچنے کے وقت کسی چچا کو خیال تک نہیں آیا کہ آخر ہم بھی تو باپ ہی کی طرح ہیں شادی وغیرہ امور ضروریہ کے لئے کچھ فکر کریں حالانکہ اُن کے گھر میں اور اُن کے دوسرے اقارب میں بھی لڑکیاں تھیں۔ سو اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر سرد مہری اُن لوگوں سے کیوں ظہور میں آئی اس کا واقعی جواب یہی ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک لڑکا یتیم ہے جس کا باپ نہ ماں ہے بے سامان ہے جس کے پاس کسی قسم کی جمعیت نہیں۔ نادار ہے جس کے ہاتھ پلّے کچھ بھی نہیں۔ ایسے مصیبت زدہ کی ہمدردی سے فائدہ ہی کیا ہے اور اُس کو اپنا داماد بنانا تو گویا اپنی لڑکی کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ مگر اس بات کی خبر نہیں تھی کہ وہ ایک شہزادہ اور روحانی بادشاہوں کا سردار ہے جس کو دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی جائیں گی۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصنیف لطیف ”کرامات الصادقین“ میں فرماتے ہیں:

”حقیقی ستائش کا سزاوار اللہ ہے جس کو آنکھیں نہیں پاسکتیں۔ ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور اس کی کنہ کی تفہیم سے افکار اتنے ہی دور ہیں جتنی رات دن سے دور ہے۔ وہ ذات جس نے قرآن اور اپنے رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے شہروں اور جنگلوں کے تمام باسیوں کو دعوتِ عام دی ہے۔ پھر درود وسلام ہو اس کے حبیب محمد خاتم النبیین اور فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر جو دلائل و براہین کے ساتھ آیا اور اس نے لوگوں کی حاجتیں پوری کیں اور تمام جہانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ پس کتنے ہی خواہشوں کے گرد گھومنے والے تھے جو روحانی لوگوں کے حلقے میں داخل ہو گئے اور کتنے زبان دراز اور غیظ و غضب سے بھڑک اُٹھنے والے لوگ تھے جو نہایت مہذب، شائستہ اور پاک صاف ہو گئے۔ اے اللہ! اس رسول نبی امّی پر درود بھیج جو اپنے کمالات میں تمام رسولوں پر فوقیت لے گئے اور جنہوں نے اپنی سیرت اور صفات میں ہر فضیلت کو اپنے اندر سمو لیا اور ایسے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کی جو منافق تھے اور مخلص نہ تھے۔ اور ایسی قوم کی اصلاح کی جو مشرک تھی، موحد نہ تھی اور ایسے لوگوں کو پاک کیا جو فاجر تھے، تقویٰ شعار نہ تھے۔ جنہوں نے اپنے نفسوں کی سواریوں کو بٹھا رکھا تھا اور اللہ کی راہوں پر نہیں چلتے تھے اور بیدار نہ تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے جنہوں نے دنیا اور دین کے علوم میں سے کچھ بھی پڑھا نہ تھا۔ آپ ان پڑھ اور اندھی قوم میں پروان چڑھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالموں اور عارفوں کا چہرہ تک نہ دیکھا تھا بلکہ آپ اپنے گھر سے باہر نہیں آئے اور نہ کبھی اپنے دوستوں اور پڑوس کو چھوڑ کر سفر پر گئے۔ اس کے باوجود آپؐ سب عالموں اور دنیا جہان کے لوگوں سے اپنی عقل، اپنے علوم اور اپنی برکات اور اپنے فیوض و انوار میں سبقت لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی ہدایت کی نوازشات نے مشارق و مغارب اور غیروں اور اپنوں سب کو ڈھانپ دیا اور ہر صاحبِ دامن نے اپنا دامن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کی طرف پھیلایا اور لوگوں کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افادات و فیوض و خیرات کی جانب دراز ہوئے۔ پس آپ نے لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھائیں اور انہیں تفرقے اور تاریک و تار راہوں سے نجات بخشی اور انہیں ہر قسم کے نفاق، پھوٹ، نزاع، لڑائی جھگڑے اور کمینوں کے خصائل شنیعہ سے پاک کیا۔ نیز آپؐ نے آنکھوں کو بصارت بخشی۔ حسن ظن پیدا کیا اور اسیروں کی رستگاری فرمائی۔ یہاں تک کہ آپؐ نے لوگوں کے دلوں میں تسلیم و رضا کی روح پیدا فرمائی۔ ان کے کفر کے جذبات کو ٹھنڈا کیا اور انہیں ثبات قدم عطا فرمایا۔ پامردی اور استقامت کے لیے مستعد کیا اور پاؤں پر کھڑا کیا تو وہ دیکھنے لگے اور انہوں نے اپنی راہوں اور اپنی منزلوں کو دیکھ لیا اور اپنی منزل کا تعین کر لیا اور شیریں اور مصفا ٹھنڈے پانی کے گھاٹ پر وارد ہوئے۔ ان کا تزکیہ کیا گیا اور وہ ایسے خالص اور پاک وصاف کیے گئے کہ وہ خیار الناس سے موسوم ہوئے۔“ (کرامات الصادقین، اردو ترجمہ صفحہ 5 تا 8)

......☆......☆......☆......

یہ انتہائی ظالمانہ اور جاہلانہ اعتراض اور الزام ہے جو جماعت احمدیہ پر لگایا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ ہم عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں
جماعت احمدیہ اپنی ابتدا سے آج تک اعلان کر رہی ہے کہ یہ نام نہاد علماء جھوٹ کہتے ہیں اور اس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے

آج یہ جلسہ بھی جو دنیا میں دیکھا جا رہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ہی ثبوت ہے
ورنہ ہمارے وسائل اگر دیکھیں تو یہ ناممکن ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں اسلام کا حقیقی پیغام ہم پہنچا سکیں
پس یہ تبلیغ کے کام خدا تعالیٰ خود کر رہا ہے اور یہ بھی تبلیغ کا ہی حصہ ہے کہ ہم ٹیلی ویژن کے ذریعہ سے، سوشل میڈیا کے ذریعہ سے ختم نبوت کی حقیقت کو بھی دنیا کو بتائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس فرض کے لئے مقرر کیا ہے اور یہی ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی تبلیغ دنیا میں کرنی ہے اور یہی حکم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس زمانے میں اشاعت اسلام کے جو ذرائع اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں وہ مسیح موعود کے زمانے سے ہی وابستہ تھے پس اب ہم سب کا یہ فرض ہے کہ تبلیغ کریں اور دنیا کو بتائیں کہ ختم نبوت کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے؟ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ کیا ہے؟

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے حوالہ سے عقیدۂ ختم نبوت کی پُرمعارف تشریح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دین کو دوبارہ دنیا میں اس کی اصل حالت میں قائم کرنے اور پھیلانے کیلئے بھیجا ہے اور جسکو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، اس وعدے کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ غلبہ بھی عطا فرمائے گا، اسے دُنیاوی حکومتوں کی لگائی ہوئی قدغنیں اور علماء کے مظالم اور بیہودہ گوئیاں کس طرح پھلنے پھولنے سے روک سکتی ہیں؟ ہم ہی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کی تعلیم کے مطابق اور ان کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے آج دنیا کے 210 ممالک میں خاتم النّبیین کے جھنڈے کو لہرا دیا ہے☆

ہم اس ایمان پر قائم ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق ہیں اور وہی مسیح موعود اور خاتم الخلفاء ہیں جن کے آنے کی خبر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور اسے اپنا سلام پہنچانے کا ارشاد فرمایا تھا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے اسلوب اسی مسیح موعود اور مہدی معہود سے سیکھے ہیں جنکی جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے یہ نام نہاد علماء ہمیں کافر کہتے اور دائرہ اسلام سے باہر نکالتے ہیں۔ آج مخالفین احمدیت کی ان باتوں کی وجہ سے اور دشمنوں کی دشمنیوں کی وجہ سے ہر احمدی پر پہلے سے بڑھ کر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی ایمانی اور عملی حالت میں ایک ایسی تبدیلی لائے جو خدا تعالیٰ کو ہم سے نزدیک تر کر دے☆

جلسہ سالانہ قادیان 2017ء میں 44 ممالک کے بیس ہزار اڑتالیس افراد شامل ہوئے☆

قادیان دارالامان میں جماعت احمدیہ مسلمہ عالمگیر کے جلسہ سالانہ کے موقع پر 31 دسمبر 2017ء بروز اتوار
سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا طاہر ہال بیت الفتوح لندن سے ایم ٹی اے کے مواصلاتی رابطوں کے ذریعہ براہ راست اختتامی خطاب

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ-
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ- الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ- مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ- اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ- اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ- صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ-

مخالفین احمدیت آجکل اور ہمیشہ سے اپنے زُعم میں ایک الزام لگا رہے ہیں اور یہ ایک ایسا بڑا الزام ہے جو ان کے خیال میں جماعت احمدیہ مسلمہ کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے۔ آجکل میں نے اس لئے کہا کہ ہمیشہ سے یہ الزام ہے لیکن آجکل بہت شدت اور زور سے لگایا جا رہا ہے اور وہ ہے نعوذ باللہ جماعت احمدیہ کا عقیدہ ختم نبوت سے انکار۔ اگر وہ اپنے الزام میں سچے ہیں تو یقیناً جو وہ کہتے ہیں صحیح ہے لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جس کا جماعت احمدیہ مسلمہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور یہی ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پس یہ انتہائی ظالمانہ اور جاہلانہ اعتراض اور الزام ہے جو جماعت احمدیہ پر لگایا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ ہم عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ ایک طرف تو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور دوسری طرف بانی جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے الفاظ کے مطابق ختم نبوت کے عقیدے کو نہ مان کر کافر بن جائیں۔

جماعت احمدیہ اپنی ابتدا سے آج تک اعلان کر رہی ہے کہ یہ نام نہاد علماء جھوٹ کہتے ہیں اور اس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن عامّۃ المسلمین کو انہوں نے اس قدر خوفزدہ کر دیا ہے کہ عمومی طور پر وہ یہ سوچنے سمجھنے اور سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے کہ احمدی کیا کہتے ہیں؟ لیکن جو اس پر غور کرتے ہیں، ہماری باتیں سنتے ہیں، قرآن اور حدیث کو سمجھتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ حقیقت میں احمدی مسلمان ہی حقیقی مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کو مسیح موعود اور مہدی معہود مان کر ہی حضرت محمد مصطفی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام کی شناخت ہو سکتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے نام نہاد علماء اپنے ذاتی مفادات کے حاصل کرنے اور اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے اب ایڑی چوٹی کا

زور لگا رہے ہیں کہ جس طرح بھی ہو ان علاقوں کے مسلمانوں کو احمدیوں کے قریب بھی نہ آنے دیا جائے۔ اسی طرح ان کی کوششیں دوسرے مسلمان ممالک میں بھی ہیں کہ یہاں احمدیت کو بدنام کیا جائے اور یہی اب ان کا حال ہے کہ بہت سارے وفود انہوں نے افریقہ میں بھیجنے شروع کر دیئے ہیں۔ وہاں سے بھی یہ خبریں آتی ہیں اور ان کو لالچ دیئے جاتے ہیں کہ تم احمدیت چھوڑ دو ہم تمہیں مسجدیں بنا کر دیں گے۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن وہ مسلمان جن کو اسلام کا کچھ پتا بھی نہیں تھا انہوں نے احمدیت کے ذریعہ سے حقیقی اسلام سیکھا۔ نماز سیکھی۔ قرآن سیکھا۔ وہی ان کو جواب دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نو مبائعین بڑے مضبوط ہیں کہ اتنا عرصہ تم لوگوں کو ہوش نہیں آئی۔ آج جب جماعت احمدیہ نے آ کر ہمیں قرآن پڑھایا، ہمیں نماز سکھائی، ہمیں مسجد بنا کر دی، ہمارے بچوں کی تربیت کی، ان کو قرآن پڑھایا اور نماز سکھائی اور دین کا علم دیا اب تمہیں خیال آیا ہے۔ پس ہمارے پاس سے چلے جاؤ۔ کبھی بھی ہم تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں۔ لیکن بہرحال یہ اپنی کوششیں کر رہے ہیں۔ لیکن ان کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ انسانی کوششیں اور منصوبے خدا تعالیٰ کے منصوبوں کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ خدا تعالیٰ کی تقدیر ہے کہ اس نے مسیح موعود کے ماننے والوں کو اکثریت میں بدلنا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس اس لحاظ سے تو ہم احمدیوں کو ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ یہ احمدیت کی ترقی کو کسی طرح بھی نہیں روک سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو الہاماً فرمایا تھا کہ 'مَیں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا''

(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 342)

اور ہر روز ہم یہ نظارہ کرتے ہیں کہ باوجود مخالفین احمدیت کے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے، باوجود اسلام کے بنیادی عقیدے کے بارے میں احمدیوں کے بارے میں یہ مشہور کرنے کے کہ یہ اس کو مانتے نہیں سینکڑوں ہزاروں لوگ احمدیت میں روزانہ شامل ہوتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ 'میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا' (الحکم جلد 2 نمبر 5,6 مورخہ 27 مارچ و 6 اپریل 1898ء صفحہ 13) اور بعض لوگوں کا ہمیں علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں رہتے ہیں لیکن وہ کوشش کر کے ہم سے رابطہ کرتے ہیں کہ کس طرح انہیں احمدیت کا علم ہوا اور اب وہ جماعت میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ موجودہ دور کی ترقی نے اس تبلیغ کے خود ہی سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ پھر مخالفین کی اپنی حرکتیں، ان کی اپنی تقریریں، ان کی اپنی غلط باتیں جو سوشل میڈیا کے ذریعہ سے آجکل پھیلا رہے ہیں اور اپنے ماحول میں احمدیوں کے متعلق بیہودہ گوئی کرتے ہیں ان کی یہی باتیں کئی نیک فطرتوں کو ہماری طرف متوجہ کرتی ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں جنہیں انسانی منصوبے روک نہیں سکتے۔

آج یہ جلسہ بھی جو دنیا میں دیکھا جا رہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ہی ثبوت ہے ورنہ ہمارے وسائل اگر دیکھیں تو یہ ناممکن ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں اسلام کا حقیقی پیغام ہم پہنچا سکیں۔ پس یہ تبلیغ کے کام خدا تعالیٰ خود کر رہا ہے اور یہ بھی تبلیغ کا ہی حصہ ہے کہ ہم ٹیلی ویژن کے ذریعہ سے، سوشل میڈیا کے ذریعہ سے، ختم نبوت کی حقیقت کو بھی دنیا کو بتائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس فرض کے لئے مقرر کیا ہے اور یہی ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی تبلیغ دنیا میں کرنی ہے اور یہی حکم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس زمانے میں اشاعت اسلام کے جو ذرائع اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں وہ مسیح موعود کے زمانے سے ہی وابستہ تھے۔

پس اب ہم سب کا یہ فرض ہے کہ تبلیغ کریں اور دنیا کو بتائیں کہ ختم نبوت کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے؟ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے اور آپ کے بلند مقام و مرتبہ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ہی آج مَیں کچھ بیان کروں گا۔ بہت سے غیر از جماعت مسلمان بھی ایسے ہیں جو ہمارے پروگرام دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں ان کے لئے بھی یہ باتیں رہنمائی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

آپؑ نے یہ فرمایا کہ میرا تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر کامل ایمان ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ٹھہرا دیا وہاں آپ کی شریعت کو بھی کامل کر دیا اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا اعلان بھی فرما دیا۔ اکمال دین بھی ہو چکا ہے اور اتمام نعمت بھی اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اب اسلام ہی پسندیدہ دین ہے اور اب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال خیر کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرنا بدعات ہیں۔

آپ اپنے مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب بتاؤ کہ یہ خود تراشیدہ وظائف ہیں جو تم نے اختیار کر لئے ہیں اور درود ہیں اور چند کافیوں کو جیسے بُلّھے شاہ کی کافیاں ہیں ان کو ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ انہی کو دین سمجھ لیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کو بھلا دیا گیا ہے۔ ان کی نمازوں میں لذت نہیں رہی اور نمازوں میں لذت حاصل ہونے کی بجائے اپنے بنائے ہوئے اذکار پر ان کو وجد طاری ہو جاتا ہے اور اپنی پگڑیاں اتار کر پھینک دیتے ہیں۔ ناچ گانے شروع ہو جاتے ہیں۔ گانے تو نہیں، ناچنا شروع ہو جاتے ہیں۔ دھمال ڈال رہے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی حرکتیں ہوتی تھیں؟ اور یہ باتیں جو آپ نے فرمائی ہیں یہ کوئی صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ آجکل بھی اسی طرح کی مجلسیں مسلمانوں میں ہوتی ہیں۔ بھنگڑا ڈال رہے ہوتے ہیں۔ آجکل سوشل میڈیا پر ان کی یہ حرکتیں عام دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان لوگوں نے عجیب عجیب حلیے بنائے ہوتے ہیں۔ بہرحال آپ فرماتے ہیں کہ تم مجھ پر تو یہ الزام لگاتے ہو کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور ختم نبوت کی مہر کو توڑ دیا گویا کہ میں کوئی مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا دعویٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آ کر آپ کی شریعت پر عمل کرنا اور کروانا ہے مگر تم اپنے آپ کو نہیں دیکھتے کہ جھوٹی نبوت تو تم لوگوں نے خود بنائی ہوئی ہے جبکہ خلافِ رسول اور خلاف قرآن تو تم یہ نئے نئے اوراد اور ذکر نکال رہے ہو۔ اگر انصاف ہے تو بتاؤ کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور عمل پر کچھ اضافہ کر رہے ہیں یا کم کر رہے ہیں یا تم لوگ؟ آپ فرماتے ہیں کیا اَرّہ کا ذکر میں نے بتایا ہے یا تمہاری اختراع ہے؟ اور اسی طرح صرف اللہ ہُو کی محفلیں ہیں اور نماز میں اور دعاؤں کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے۔ اَور پتا نہیں کیا کیا کچھ اور رسمیں نکالی ہوئی ہیں۔ کیا بدعات پیدا کی ہوئی ہیں۔ پیروں فقیروں کی قبروں پر سجدے کرتے ہیں۔ دین اسلام میں یہ سب بدعات ان لوگوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے داخل کی ہوئی ہیں۔ پس آپ فرماتے ہیں کہ یہ الزام مجھے نہ دو اپنی حالتوں کو دیکھو۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 3 صفحہ 88 تا 90، ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔ جب تک ان مُحدثات سے الگ نہیں ہوتا (یعنی جو نئی نئی بدعات پیدا کر لی ہیں اپنے دین میں) اور اپنے قول اور فعل سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خاتم النبیین نہیں مانتا کچھ نہیں''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''سعدی نے کیا اچھا کہا ہے کہ

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن می فزائے بر مصطفیٰ

(یعنی زہد اور تقویٰ اور صدق و صفا کے لئے ضرور کوشش کر مگر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق سے تجاوز نہ کر۔)

آپ نے فرمایا کہ میرے آنے کا مقصد تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور نبوت کو دوبارہ قائم کرنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''ہمارا مدّعا جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا تعالیٰ نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوّتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو اِن لوگوں نے اپنی بدعتوں کے

ذریعے قائم کی ہیں۔ان ساری گدّیوں کو دیکھ لو‘‘(یعنی پیروں فقیروں کی گدیاں جو ہیں)’’اورعملی طور پر مشاہدہ کرلو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ہم ایمان لائے ہیں یا وہ؟‘‘

پھر ایک جگہ اس مضمون کو جاری رکھتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

’’یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختم نبوت سے خداتعالیٰ کا اتنا ہی منشاء قرار دیا جائے کہ منہ سے ہی خاتم النبیین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جوتم خود پسند کرو اور اپنی ایک الگ شریعت بنا لو‘‘۔غیر احمدیوں نے عجیب عجیب قسم کی بدعتیں بنائی ہوئی ہیں۔’’بغدادی نماز، معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس کا کہیں پتا لگتا ہے؟اور ایسا ہی یَا شیخ عبدالقادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہ کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانی کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا‘‘۔آپ فرماتے ہیں’’شرم کرو! کیا شریعتِ اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے؟‘‘آپ فرماتے ہیں’’اب خود ہی فیصلہ کرو کہ کیا ان باتوں کو مان کر اور ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ میں نے خاتم النبیین کی مہر کو توڑا ہے۔اصل اور سچی بات یہی ہے کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لا کر آپ کے طرزعمل اور نقش قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے تو پھر میرے آنے ہی کی کیا ضرورت ہوتی‘‘ آپ فرماتے ہیں کہ ’’تمہاری ان بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو اِن جھوٹی نبوّتوں کے بُت کو توڑ کر نیست و نابود کرے۔پس اسی کام کے لئے خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے‘‘۔ آپ فرماتے ہیں’’گدی نشینوں کو سجدہ کرنا یا ان کے مکانات کا طواف کرنا یہ تو بالکل معمولی اور عام باتیں ہیں۔‘‘

پھر آپ اپنی بعثت کے مقصد اور جماعت کے قیام کے مقصد کو بیان فرماتے ہوئے اور ختم نبوت کی حقیقت کیا ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ:

’’اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اسی لئے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور عزّت کو دوبارہ قائم کریں۔ایک شخص جو کسی کا عاشق کہلاتا ہے اگر اس جیسے ہزاروں اَور بھی ہوں تو اس کے عشق ومحبت کی خصوصیت کیا رہی۔تو پھر اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق میں فنا ہیں جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کیا بات ہے کہ ہزاروں خانقاہوں اور مزاروں کی پرستش کرتے ہیں‘‘ ایک طرف کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں فنا ہیں دوسری طرف خانقاہوں اور مزاروں پر صرف دعا کے لئے نہیں جاتے بلکہ پرستش کرتے ہیں، پوجا کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ’’ مدینہ طیبہ تو جاتے ہیں‘‘۔ ٹھیک ہے جاتے ہیں۔حج اور عمرہ کے لئے بھی جاتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں’’مگر اجمیر اور دوسری خانقاہوں پر ننگے سر اور ننگے پاؤں جاتے ہیں‘‘۔ان کو بھی وہی مقام دیا ہوا ہے۔’’ پاکپتن کی کھڑکی میں سے گزر جانا ہی نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں‘‘۔یہ بھی انہوں نے بدعات پیدا کی ہوئی ہیں کہ وہاں بزرگ کی کھڑکی میں سے گزر جاؤ، دروازے میں سے گزر جاؤ تو نجات مل جائے گی۔فرمایا کہ’’کسی نے کوئی جھنڈا کھڑا کر رکھا ہے کسی نے کوئی اَور صورت اختیار کر رکھی ہے۔ان لوگوں کے عُرسوں اور میلوں کو دیکھ کر ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے کہ یہ انہوں نے کیا بنا رکھا ہے‘‘۔آپ فرماتے ہیں کہ’’اگر خدا تعالیٰ کو اسلام کی غیرت نہ ہوتی اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران 20:) خدا کا کلام نہ ہوتا اور اس نے نہ فرمایا ہوتا (کہ) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر 10:) تو بیشک آج وہ حالت اسلام کی ہوگئی تھی کہ اس کے مٹنے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور اس کی رحمت اور وعدۂ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز کو پھر نازل کرے اور اس زمانہ میں آپ کی نبوت کو نئے سر سے زندہ کر کے دکھا دے۔چنانچہ اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور مجھے مامور اور مہدی بنا کر بھیجا۔‘‘

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے دین کو دوبارہ دنیا میں اس کی اصل حالت میں قائم کرنے اور پھیلانے کے لئے بھیجا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اس وعدے کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ غلبہ بھی عطا فرمائے گا اسے دنیاوی حکومتوں کی لگائی ہوئی قدغنیں اور علماء کے مظالم اور بیہودہ گوئیاں کس طرح پھلنے پھولنے سے روک سکتی ہیں۔

ہم ہی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کی تعلیم کے مطابق اور ان کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے آج دنیا کے 210 ممالک میں خاتم النّبیین کے جھنڈے کو لہرا دیا ہے۔

اور اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ سلسلہ کا قیام کس غرض سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’آج دو قسم کے شرک پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اسلام کو نابود کرنے کے لئے بے حد سعی کی اور اگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہوتا تو قریب تھا کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ دین کا نام ونشان مٹ جاتا۔مگر چونکہ اس نے وعدہ کیا ہوا تھا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر 10:) یہ وعدۂ حفاظت چاہتا تھا کہ جب غارت گری کا موقع ہو تو وہ خبر لے‘‘۔آپ فرماتے ہیں کہ’’چوکیدار کا کام ہے کہ وہ نقب دینے والوں کو پوچھتے ہیں اور دوسرے جرائم والوں کو دیکھ کر اپنے منصبی فرائض عمل میں لاتے ہیں۔اسی طرح پر آج چونکہ فِتَن جمع ہو گئے تھے‘‘ بہت سارے فتنے اکٹھے ہو گئے تھے’’اور اسلام کے قلعہ پر ہر قسم کے مخالف ہتھیار باندھ کر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے تھے اس لئے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ منہاجِ نبوت قائم کرے۔ یہ مواد اسلام کی مخالفت کے دراصل ایک عرصہ دراز سے پک رہے تھے اور آخراب پھوٹ نکلے۔جیسے ابتدا میں نطفہ ہوتا ہے اور پھر ایک عرصہ مقررہ کے بعد بچہ بن کر نکلتا ہے۔اسی طرح پر اسلام کی مخالفت کے بچہ کا خروج ہو چکا ہے اور اب وہ بالغ ہو کر پورے جوش اور قوت میں ہے۔‘‘ یہی ہم آجکل دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ دنیا دار لوگ بھی اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ان کے مقاصد جغرافیائی طاقت حاصل کرنا ہے، سیاسی طاقت حاصل کرنا ہے، لیکن اسلام کو بدنام کر کے وہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسلامی ممالک کی دولت کو حاصل کرنے کے لئے بھی یعنی کہ گویا مذہبی لحاظ سے بھی اور دنیاوی لحاظ سے بھی ہر طرح سے آجکل اسلام کو، مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ پورے جوش اور قوت سے آجکل یہ مخالفت ہو چکی ہے۔آپ نے فرمایا ’’اس لئے اس کو تباہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک حربہ نازل کیا اور اس مکروہ شرک کو جو اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا ہو گیا تھا دُور کرنے کے لئے اور پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے کے واسطے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے‘‘۔ اندرونی طور پر بھی مسلمانوں میں قبروں کی پوجا کر کے ایک شرک پیدا ہو چکا ہے بیرونی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے سے لوگ انکاری ہو چکے ہیں اور شرک ویسے بھی بڑھ رہا ہے دنیاداری کے شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس ہر طرح کے شرک کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ قائم کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ’’یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اور مَیں بڑے دعوے اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ بیشک یہ خدا کی طرف سے ہے۔اُس نے اپنے ہاتھ سے اِس کو قائم کیا ہے جیسا کہ اُس نے اپنی تائیدوں اور نصرتوں سے جو اِس سلسلہ کے لئے اُس نے ظاہر کی ہیں دکھا دیا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 90 تا 93۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر آپ نے اس بات کی مزید وضاحت فرمائی اور یہ فرماتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک شریعت لانے والے اور ایک جو صاحب شریعت کے کام کو جاری رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ’’خدا (تعالیٰ) کی طرف سے مامور ہو کر آنے والے لوگوں کے دو طبقے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو صاحبِ شریعت ہوتے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ایک وہ جو اِحیائے شریعت کیلئے آتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔اسی طرح پر ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل

شریعت لے کر آئے جو نبوّت کے خاتَم تھے اس لئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختم نبوّت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام کے بعد ہم کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے اسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلہ کا خاتَم جو خاتَم الخلفاء یعنی مسیح موعود ہے ضروری تھا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آتا۔ پس مَیں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود ہوں۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ شریعتِ مُوسوی کے احیاء کے لئے آئے تھے۔ مَیں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا اور میرا دل ہرگز نہیں مان سکتا کہ قرآن شریف کے بعد اب کوئی اَور شریعت آ سکتی ہے کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے شریعتِ محمدی کے احیاء کے لئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔ میرے الہامات جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہوتے ہیں اور جو ہمیشہ لاکھوں انسانوں میں شائع کئے جاتے ہیں اور چھاپے جاتے ہیں اور ضائع نہیں کئے جاتے وہ ضائع نہ ہوں گے اور وہ قائم رہیں گے''۔

(ملفوظات، جلد 2، صفحہ 272، ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر آپ نے پرزور الفاظ میں یہ بھی فرمایا کہ میں نے جو کچھ پایا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فیض ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب اور تمام صفاتِ جمیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کروں۔ میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت دنیا میں قائم ہو۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف راجع ہیں''

یعنی اسی طرف منسوب ہو رہی ہیں۔ آپؐ کی ہی مرہون منت ہیں۔ آپؐ کے فیض سے ہی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ''اس لئے کہ مَیں آپؐ کا ہی غلام ہوں اور آپؐ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرنے والا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی سبب سے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ مَیں مستقل طور پر بِلا استفاضۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مامور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مردود اور مخذول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مہر لگ چکی ہے اس بات پر کہ کوئی شخص وُصول الی اللہ کے دروازہ سے آ نہیں سکتا بجز اِتّباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 287۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان) اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ملنے کیلئے ایک ہی دروازہ ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

پس یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی نئی شریعت نہیں لے کر آئے اور نہ اب کوئی نئی شریعت آ سکتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مقام کا ہی یہ تقاضا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی وجہ سے اور آپ کی غلامی میں آنے کی وجہ سے آنے والے مسیح موعود اور مہدی معہود کو نبی کے مقام سے نوازا۔ کسی اور نبی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا کہ اسے شرعی نبی کی غلامی کی وجہ سے، کسی نبی کی غلامی کی وجہ سے مامور ہونے کا درجہ ملا ہو۔ پس یہ ہمارا ایمان ہے اور ہم اس ایمان پر قائم ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق ہیں اور وہی مسیح موعود اور خاتم الخلفاء ہیں جن کے آنے کی خبر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور اسے اپنا سلام پہنچانے کا ارشاد فرمایا تھا۔

(المعجم الاوسط جلد 3 صفحہ 383 تا 384 حدیث، 4898 باب العین من اسمہ عیسیٰ مطبوعہ دار الفکر عمان اردن 1999ء)

جو احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام اس سے اوپر سمجھتا ہے وہ یقیناً مسلمان نہیں ہے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا دوسرے مسلمان علماء اور حکومتیں اس بات کو لے کر کہ ہم ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتے بیشک ہم پر ہر قسم کے فتوے لگائیں اور احمدیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور قتل کرنے کے لئے عامّۃ المسلمین کو ابھاریں لیکن ہمارے ایمان کو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی متزلزل نہیں کر سکتے کیونکہ ہم نے وہ پایا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چاہتے تھے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے اسلوب اسی مسیح موعود اور مہدی معہود سے سیکھے ہیں جن کی جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے یہ نام نہاد علماء ہمیں کافر کہتے اور دائرہ اسلام سے باہر نکالتے ہیں۔

آج مخالفین احمدیت کی ان باتوں کی وجہ سے اور دشمنوں کی دشمنیوں کی وجہ سے ہر احمدی پر پہلے سے بڑھ کر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی ایمانی اور عملی حالت میں ایک ایسی تبدیلی لائے جو خدا تعالیٰ کو ہم سے نزدیک تر کر دے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ یہ زمینی مخالفتیں ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں اگر عرش کے خدا سے ہمارا پختہ تعلق ہے۔ (ماخوذ از کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15) پس ہمیں عرش کے خدا سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یقیناً وہ دن آنے والے ہیں جب تمام مخالفتیں ہوا ہو جائیں گی۔ جب مخالفین اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کئے ہوئے خدا تعالیٰ کے تمام وعدے پورے ہوں گے۔ لیکن اس کے لئے جیسا کہ مَیں نے کہا ہمیں اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری ایمانی اور عملی حالتوں کے کیا معیار دیکھنا چاہتے ہیں اس بارے میں آپ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''اے میرے دوستو جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں اُن باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلا کا وقت تم پر ہے۔ اسی سنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے۔ اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی۔ اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ اور کچھ آسمانی ابتلا بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے اوپر دو لعنتیں جمع کر لو۔ ایک خَلقت کی اور دوسری خدا کی بھی''

آپ نے فرمایا: ''یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا''۔ آپ فرماتے ہیں ''ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے''۔ پس تقویٰ پیدا کرنا ضروری ہے اور تقویٰ میں بڑھنا ہم پہ ضروری ہے۔ اور تقویٰ یہی ہے کہ ہر نیکی میں ہم آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

آپ فرماتے ہیں'' سو اے میرے پیارے بھائیو! کوشش کرو تا مُتّقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو۔ اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ''۔ دلوں میں نرمی پیدا کرو'' کہ ہر یک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے''۔ فرمایا کہ'' اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے''۔ آپ فرماتے ہیں ''سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا

اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی مَلِکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا مَلِکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ‘‘۔ آپ فرماتے ہیں ’’پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالیٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضاء اور تمہارے تمام قُویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں‘‘۔ یعنی عملی طور پر بھی اس کا اظہار ہونا چاہئے ’’تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی‘‘۔ آپ نے فرمایا ’’خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر یک عُضو اور ہر یک قوت اور ہر یک وضع اور ہر یک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر یک مرتبۂ فہم اور مرتبۂ فطرت اور مرتبۂ سلوک اور مرتبۂ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے‘‘۔ پس عقل کے مطابق بھی، فطرت کے مطابق بھی اور جو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اس کے مطابق بھی، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ایک دعوت اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کو ہر احمدی کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے جہاں علم حاصل کرنا ہے، جہاں ایمان کی ترقی کرنی ہے وہاں عملی طور پر بھی اس کا اظہار کرنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ’’سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو۔ جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جُوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا۔ پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا۔ دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو‘‘۔ دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی شرطیں اپنی عبادت میں نہ لگاؤ کہ اس طرح یہ عبادت نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم دنیاوی شرطیں لگاؤ گے تو ’’ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے۔ بلکہ تم اس لئے اُس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے۔ چاہئے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جاوے اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوبِ حقیقی اور محسنِ حقیقی راضی ہو جاوے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے‘‘۔

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 546 تا 548)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر روز ہمارا ہر قدم نیکیوں میں بڑھنے والا قدم ہو۔ پاکستان کے احمدیوں کو بھی خاص طور پر دعاؤں کی طرف توجہ دینی چاہئے اور دعاؤں اور اپنی حالتوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے ان کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہاں سب سے زیادہ سختیاں احمدیوں پر روا رکھی جارہی ہیں اور ہر روز ایک نیا قانون ان کے لئے پاس کیا جارہا ہے، بنایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب احمدیوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ دشمن کا ہر منصوبہ ناکام و نامراد ہو۔

جلسے کے بعد تمام شاملین جو اس وقت قادیان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خیر و عافیت سے اپنے اپنے گھروں میں لے کر جائے اور جلسے کے دنوں کی برکات کو ہمیشہ اپنی زندگیوں کا حصہ بنانے والے ہوں۔

اس کے بعد ہم دعا کریں گے۔ لیکن دعا سے پہلے مَیں وہاں کی حاضری کی رپورٹ بھی دے دوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت قادیان کے جلسہ میں بھی چوالیس (44) ممالک کی نمائندگی ہے اور بیس ہزار اڑتالیس کی حاضری ہے۔ جو گزشتہ سال سے تقریباً چھ ہزار زیادہ ہے۔ اور یہاں کی جو حاضری ہے وہ بھی پانچ ہزار تین سو ہے۔ اللہ تعالیٰ سب شاملین کا حافظ و ناصر ہو۔ اب دعا کریں۔

......☆......☆......☆......

سرے دارم فدائے خاکِ احمدؑ
دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ ﷺ

کلام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عجب نوریست در جانِ محمدؐ　　عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف　　کہ گردد از محبّانِ محمدؐ
عجب دارم دل آں ناکساں را　　کہ رُو تابند از خوانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم　　کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزار ست صد بار　　کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خُدا خود سوزد آں کِرمِ دنی را　　کہ باشد از عدوّانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس　　بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت　　بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش　　محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ　　دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوئے رسول اللہ کہ ہستم　　نثارِ روئے تابانِ محمدؐ
دریں رہ گر کشندم ور بسوزند　　نتابم رُو زِ ایوان محمدؐ
بکارِ دیں نترسم از جہانے　　کہ دارم رنگ ایمان محمدؐ
بسے سہلست از دُنیا بریدن　　بیادِ حُسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرّۂ من　　کہ دیدم حُسنِ پنہانِ محمدؐ
دگر اُستاد را نامے ندانم　　کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ
بدیگر دلبرے کارے ندارم　　کہ ہستم کُشتۂ آنِ محمدؐ
مرا آں گوشۂ چشمے بباید　　نخواہم جُز گلستانِ محمدؐ
دلِ زارم بہ پہلویم مجوئید　　کہ بستیمش بدامانِ محمدؐ
من آن خوش مرغ از مرغانِ قدسم　　کہ دارد جا بہ بستانِ محمدؐ
تو جانِ ما منوّر کردی از عشق　　فدایت جانم اَے جانِ محمدؐ
دریغا گر دہم صد جاں دریں راہ　　نباشد نیز شایانِ محمدؐ
چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را　　کہ ناید کس بہ میدانِ محمدؐ
اَلا اے دشمنِ نادان و بے راہ　　بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ
رہِ مولیٰ کہ گم کردند مردم　　بجو در آل و اَعوانِ محمدؐ
اَلا اے منکر از شانِ محمدؐ　　ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام ونشان است　　بیا بنگر زِ غلمانِ محمدؐ

❁❁❁

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدّد ازدواج اور اس کی حکمتیں

((حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم.اے. رضی اللہ عنہ کی کتاب ''سیرت خاتم النّبیین'' میں سے ایک باب))

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ کے رخصتانہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حرم میں تعدّد ازدواج کا آغاز ہوتا ہے، اس لیے اس موقع پر اس مسئلہ کے متعلق ایک مختصر سا نوٹ درج کرنا نامناسب نہ ہوگا، لیکن پیشتر اسکے کہ تعدّد ازدواج کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اغراض بیان کر دی جائیں جو اسلامی شریعت میں نکاح کی مقرر کی گئی ہیں۔ کیونکہ منجملہ اور اغراض کے ان اغراض کے توسیعی مصالح پر ہی تعدّد ازدواج کا ایک حد تک دارومدار ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ قرآن شریف سے نکاح کی اغراض چار معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل انسان کا بعض جسمانی اور اخلاقی اور روحانی بیماریوں اور ان کے بدنتائج سے محفوظ ہو جانا۔ اس صورت کو عربی میں احصان کہتے ہیں جس کے لفظی معنے کسی قلعہ کے اندر محفوظ ہو جانے کے ہیں۔ دوم بقائے نسل، سوم حصولِ رفیق حیات اور سکینتِ قلب، چہارم محبت اور رحمت کے تعلقات کی توسیع، چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (سورۃ نساء:25)

اور اَے مسلمانو! جائز کی جاتی ہیں تمہارے لیے تمام عورتیں سوائے ان عورتوں کے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ کہ تم ان کے مہر مقرر کر کے ان کے ساتھ نکاح کرو۔ مگر تمہارے نکاح کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ تم بیماریوں اور بدیوں سے محفوظ ہو جاؤ اور یہ غرض نہیں ہونی چاہئے کہ تم شہوت کے طریق پر عیش وعشرت میں پڑو۔

اس آیت میں احصان والی غرض بیان کی گئی ہے یعنی **(الف)** یہ کہ نکاح کے ذریعہ انسان بعض ان خاص قسم کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہونے سے بچ جاوے جو تجرد کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں اور **(ب)** یہ کہ وہ بعض روحانی اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ ہو جاوے، لیکن ناپاک خیالات اور ناپاک تعلقات میں مبتلا نہ ہو۔ اسی غرض و غایت کو ایک دوسری آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ البقرہ:188)

اے مسلمان مردو! یاد رکھو کہ تمہاری عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اپنی عورتوں کا لباس ہو۔

یعنی تم ایک دوسرے کو بدیوں اور بیماریوں سے محفوظ کرنے کا ذریعہ ہو جیسا کہ لباس انسان کے لیے سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس آیت میں چونکہ عورتوں کو بھی شامل کرنا تھا اس لیے طریقِ بیان زیادہ لطیف کر دیا گیا ہے۔ نیز اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا بھی ذریعہ ہیں جیسا کہ لباس بھی پردہ پوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ (سورۃ البقرہ:224)

یعنی اَے مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں جن سے تمہاری آئندہ نسل کی فصل نے پیدا ہونا ہے۔ پس اب تمہیں اختیار ہے کہ جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں کے ساتھ معاملہ کرو اور جس قسم کی فصل اپنے لیے پیدا کرنا چاہو پیدا کرلو۔

اس آیت میں بقائے نسل کی غرض بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ انسانی نسل کا سلسلہ قائم رہے اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ جب بیویوں کے ذریعہ آئندہ نسل کا وجود قائم ہونا ہے تو پھر انسان کو چاہئے کہ اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات رکھنے میں ایسا طریق اختیار کرے کہ جس کے نتیجہ میں آئندہ نسل خراب نہ ہو بلکہ بہتر سے بہتر نسل پیدا ہو۔

پھر فرماتا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (سورۃ روم:22)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس میں سے ہی تمہارے لیے بیویاں بنائی ہیں تا کہ تم ان کے تعلق میں سکینتِ قلب حاصل کرو اور پھر اس تعلق کو خدا نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت کا ذریعہ بنایا ہے۔

اس آیت میں نکاح کی تیسری اور چوتھی اغراض بیان کی گئی ہیں۔ یعنی یہ کہ خاوند کو بیوی میں اور بیوی کو خاوند میں رفیقِ حیات میسر آجاوے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے تعلق میں تسکین قلب پائیں اور دوسرے یہ کہ نکاح کے ذریعہ سے خاوند اور بیوی کے متعلقین کے درمیان رشتہ وِداد و اتحاد قائم ہو جاوے اور نسلی رشتہ داری کے تعلق کے علاوہ رحمی تعلق کے ذریعہ بھی مختلف خاندانوں اور مختلف قوموں کے درمیان محبت اور رحمت کی زنجیر سے منسلک ہو جانے کے موقعے میسر رہیں۔

الغرض اسلامی شریعت میں نکاح کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں۔ **اوّل** احصان یعنی بعض جسمانی اور روحانی بیماریوں اور ان کے نتائج سے محفوظ ہو جانا۔ **دوم** بقاء نسل، **سوم** رفاقتِ حیات اور تسکین قلب، **چہارم** مختلف خاندانوں یا مختلف قوموں کا آپس میں محبت اور رحمت کے رشتہ کے ذریعہ سے مل جانا اور اگر غور کیا جاوے تو یہ ساری اغراض نہ صرف بالکل جائز اور مناسب ہیں بلکہ نہایت درجہ پاکیزہ اور فطرتِ انسانی اور ضروریاتِ بنی نوع انسان کے عین مطابق ہیں اور ان سے خاوند بیوی کے تعلق کو ایک بہترین بنیاد پر قائم کر دیا گیا ہے اور اس تعلق سے بہترین ثمرہ پیدا کرنے کی صورت نکالی گئی ہے اور ان اغراض کے مقابلہ میں جس غرض کو قرآن شریف نے نام لے کر ناجائز قرار دیا اور اس سے مسلمانوں کو روکا ہے وہ تعیّش اور شہوت رانی کی غرض ہے۔

اب ہم وہ اغراض بیان کرتے ہیں جو تعدّد ازدواج کی اجازت میں اسلام نے مدّنظر رکھی ہیں۔ سو اسلامی شریعت کے مطالعہ سے پتا لگتا ہے کہ یہ اغراض دو قسم کی ہیں۔ **اوّل** وہی عام اغراض جو نکاح میں اسلام کے مدِّنظر ہیں اور جو اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ **دوم** وہ خاص اغراض جو مخصوص طور پر تعدّد ازدواج کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مقدم الذکر اغراض کو تعدّد ازدواج کے معاملہ میں اس لیے بحال رکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ایک بیوی سے نکاح کی غرض پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی اور اس لیے اسی غرض کے ماتحت دوسری بیوی کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً نکاح کی ایک غرض احصان ہے یعنی یہ کہ اس ذریعہ سے انسان بعض بیماریوں اور بدیوں اور بدکاریوں سے بچ جاوے لیکن ہوسکتا ہے کہ انسان کے حالات ایسے ہوں کہ وہ ایک ہی عورت کے تعلق سے جس پر حیض اور حمل اور وضع حمل اور رضاعت اور پھر مختلف قسم کی بیماریوں وغیرہ کی حالتیں آتی رہتی ہیں اپنے تقویٰ اور طہارت کو قائم نہ رکھ سکتا ہو۔ اور اگر وہ غیر معمولی کوشش کے ساتھ اپنے آپ کو عملی بدی سے بچائے بھی رکھے تو کم از کم اس کے خیالات میں ناپاکی کا عنصر غالب رہتا ہو اور یا اس طرح رکے رہنے سے اسے کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کا صحیح علاج سوائے تعدّد ازدواج کے اور کوئی نہیں۔ یعنی وہی غرض جو ایک نکاح کی محرّک تھی اس صورت میں اس کیلئے دوسرے نکاح کی محرک ہو جائے گی۔ اسی طرح نکاح کی ایک غرض بقائے نسل ہے، لیکن اگر کسی شخص کے ہاں ایک بیوی سے کوئی اولاد نہ ہو یا نرینہ اولاد نہ ہو تو یہی غرض دوسرے نکاح کی جائز بنیاد بن جائے گی۔ اسی طرح نکاح کی ایک غرض رفاقتِ حیات اور تسکینِ قلب ہے، لیکن اگر کسی کی بیوی دائم المریض ہو اور اس کا مرض اس حالت کو پہنچا ہوا ہو کہ وہ بالکل صاحبِ فراش رہتی ہو یا وہ مجنون ہو جاوے تو اس صورت میں ایسے شخص کو رفاقتِ حیات اور تسکینِ قلب کی غرض کو پورا کرنے کے لیے دوسری بیوی کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح نکاح کی ایک غرض مختلف خاندانوں کا آپس میں ملنا اور ایک دوسرے کے لیے محبت و رحمت کے موقعے پیدا کرنا ہے، لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے ابتداءً کسی ایسے خاندان میں شادی کی ہو جہاں اس کے لیے اس رشتہ محبت کا قائم ہونا ضروری تھا، مگر اس کے بعد اس کے

لئے اس سے بھی زیادہ ضروری اور اہم موقعے پیش آجائیں جہاں اس کا تعلق قائم ہونا خاندانی یا قومی یا ملکی یا سیاسی یا دینی مصالح کے ماتحت نہایت ضروری اور پسندیدہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے تعدّد ازدواج پر عمل کرنا ضروری ہو جائے گا۔ الغرض وہ ساری اغراض جو اسلام نے نکاح کے متعلق بیان کی ہیں وہی خاص حالات میں تعدّد ازدواج کی بنیاد بھی بن جاتی ہیں اور مندرجہ بالا صورتیں مثال کے طور پر بیان کی گئی ہیں ورنہ اور بعض صورتیں بھی پیدا ہوسکتی ہیں کہ جب نکاح کی غرض ایک بیوی سے پورے طور پر یا احسن صورت میں حاصل نہیں ہوتی اور دوسری بیوی کی جائز طور پر ضرورت پیش آجاتی ہے، لیکن ان اغراض کے علاوہ اسلام نے تعدّد ازدواج کی بعض خاص وجوہات بھی بیان کی ہیں اور وہ تین ہیں۔ اوّل حفاظتِ یتامیٰ، دوم انتظام بیوگان، سوم تکثیر نسل۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

(سورۃ النساء:4)

اور اَے مسلمانو! (ان جنگوں میں جو تمہیں درپیش ہیں لازماً یتامیٰ کی کثرت ہوگی اور تمہیں ان یتامیٰ کی حفاظت کے لیے تعدّد ازدواج کی ضرورت پیش آئیگی۔ پس) اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ (ایک بیوی تک محدود رہتے ہوئے) تم یتامیٰ کی حفاظت اور ان کے حقوق کی خاطر خواہ ادائیگی سے قاصر رہو گے تو پھر اپنی پسند کے مطابق زیادہ عورتوں سے شادیاں کرو۔ دو دو کے ساتھ، تین تین کے ساتھ اور چار چار کے ساتھ (مگر اس سے زیادہ نہیں کیونکہ خدا کی نظر میں یہ حد تمہاری استثنائی ضروریات کے لیے کافی ہے، لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ اپنی مالی یا جسمانی یا انتظامی کمزوری کی وجہ سے یا طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے) تم ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی کر کے ان کے ساتھ عدل نہیں کرسکو گے تو پھر تمہیں لازماً ایک ہی بیوی سے شادی کرنی چاہئے۔

اس آیت کریمہ میں تعدّد ازدواج کے حکم کو یتامیٰ کے ذکر کے ساتھ ملا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دراصل یتامیٰ کی کثرت بھی تعدّد ازدواج کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ ہے اور چونکہ یتامیٰ کی کثرت ایک طرف تو بیوگان کی کثرت کو چاہتی ہے اور دوسری طرف وہ آئندہ کے لیے نسل کی قلّت کا اندیشہ پیدا کرتی ہے اور ویسے بھی یہ تینوں حالتیں جنگ کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اس لیے گویا اس آیت میں ہی خدا تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں تعدّد ازدواج کی ساری زائد اغراض کو جمع کر دیا ہے۔ یعنی حفاظت یتامیٰ، انتظامِ بیوگان اور علاجِ قلّتِ نسل اور پھر مزید تشریح و توضیح کے لیے ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر بھی کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ

(سورۃ النور:23)

یعنی اے مسلمانو! (اب جب ہم نے تمہارے لیے تعدّد ازدواج کا استثنائی علاج تجویز کر دیا ہے تو) اب تمہیں ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ حتّی الوسع کوئی غیر شادی شدہ عورت خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ ہو بغیر شادی کے نہ رہے۔

اس آیت میں غیر شادی شدہ عورتوں خصوصاً بیوگان کی شادی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پھر حدیث میں آتا ہے:

عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ۔

(ابوداؤد و نسائی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب النکاح)

یعنی معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ تمہیں چاہئے کہ محبت کرنے والی زیادہ بچے دینے والی عورتوں کے ساتھ شادیاں کیا کرو، تا کہ تمہاری تعداد ترقی کرے اور میں قیامت کے دن اپنی امت کی زیادتی پر فخر کرسکوں۔

اس حدیث میں تکثیر نسل والی غرض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس طرح یہ کل سات اغراض ہوتی ہیں جو اسلام نے تعدد ازدواج کے متعلق بیان کی ہیں۔ یعنی جسمانی اور روحانی بیماریوں سے حفاظت، بقائے نسل، رفاقتِ حیات اور تسکین قلب، محبت و رحمت کے تعلقات کی توسیع، انتظام یتامیٰ، انتظام بیوگان اور ترقی نسل۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اغراض کو حاصل کس طرح کیا جاوے۔ یعنی کس اصل کے ماتحت بیوی کا انتخاب کیا جاوے کہ یہ اغراض احسن صورت میں حاصل ہوسکیں۔ سو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

(بخاری کتاب النکاح)

یعنی نکاح میں عورت کا انتخاب چار قسم کے خیالات کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ عورت کی مالی حالت کی بناء پر بیوی کا انتخاب کرتے ہیں بعض کو حسب و نسب کا خیال ہوتا ہے۔ بعض خوبصورتی اور حُسن دیکھتے ہیں اور بعض لوگ عورت کی اخلاق اور دینی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہیں، لیکن اے مسلمانو! تمہیں چاہئے کہ تم ہمیشہ دینی پہلو کو ترجیح دیا کرو۔ یہی تمہاری کامیابی کا طریق اور یہی دین و دنیا کی خرابی سے بچنے کا طریق ہے۔

اس حدیث میں نکاح کی اغراض کے حصول کے لیے بیوی کے انتخاب کا اصول بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دینی پہلو کو ترجیح دی جاوے اور دین سے صرف عورت کی ذاتی دینی یا اخلاقی حالت مراد نہیں ہے اور نہ دین کا لفظ عربی زبان میں محض مذہب اور عقیدہ کے معنوں میں آتا ہے بلکہ جیسا کہ عربی کی مشہور لغت اقرب الموارد میں تشریح کی گئی ہے دین کا لفظ عربی زبان میں مندرجہ ذیل معانی کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اوّل اخلاق و عادات، دوم رُوحانی پاکیزگی اور طہارت، سوم مذہب، چہارم قوم و ملّت، پنجم سیاست و حکومت۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ عورت کے انتخاب میں دینی پہلو کو ترجیح دی جاوے اس میں جہاں یہ مراد ہے کہ بیوی ایسی ہونی چاہئے جو ذاتی طور پر اخلاق و عادات اور تقویٰ وطہارت اور مذہب و عقیدہ میں اچھی ہو تا کہ خاوند اور بیوی کے تعلقات بھی اچھے رہیں اور آئندہ اولاد پر بھی اچھا اثر پڑے، وہاں یہ بھی مراد ہے کہ بیوی کے انتخاب میں وہ عام دینی پہلو بھی جو مصالحِ مذہب اور مصالحِ قوم و ملّت اور مصالحِ سیاست و حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اپنے اپنے موقع پر مدِّ نظر رہنے چاہئیں اور اگر اس جگہ کسی کو یہ شبہ گزرے کہ گو لغوی طور پر یہ سب معانی درست ہوں مگر یہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی لفظ میں ایک ہی وقت میں اتنے معانی مراد ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُقنّن نبی تھے۔ آپؐ کا کلام قانونی کلام کا رنگ رکھتا تھا جو ہمیشہ جامع المعانی اور وسیع المفہوم ہوتا ہے اور اس کے ایک ایک لفظ میں کئی کئی پہلو مدِّ نظر ہوتے ہیں اور اسی روشنی میں ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے معنے کرنے چاہئیں اور بہرحال جب لغوی طور پر یہ معانی درست ہیں تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام نے نکاح کی اغراض چار اور تعدّد ازدواج کی اغراض سات بیان کی ہیں اور ان اغراض کے بہترین حصول کے لیے بیوی کے انتخاب کے متعلق یہ ہدایت دی ہے کہ اس میں عورت کی ذاتی خوبی کے علاوہ مصالحِ مذہب اور مصالحِ قوم و ملّت اور مصالحِ سیاست و حکومت کو ترجیح دینی چاہئے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نکاح کے معاملہ میں اور خوبیوں کو نہ دیکھا جاوے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کو عورت کی دوسری خوبیوں کے مدِّنظر رکھنے کی بھی اجازت دی ہے بلکہ بعض اوقات خود اس کی تحریک فرمائی ہے کہ دوسری باتوں کو بھی دیکھ لیا کرو۔ چنانچہ باوجود پردہ کے احکام کے آپؐ یہ تحریک فرماتے تھے کہ نکاح سے پہلے مرد کو چاہئے کہ عورت کو خود دیکھ لے (ترمذی ابواب النکاح) تا کہ بعد میں شکل وصورت کی ناپسندیدگی کی وجہ سے اس کی طبیعت میں کسی قسم کا تکدّر نہ پیدا ہو۔ اسی طرح مناسب حد تک مالی حالت کے مدِّنظر رکھنے کی بھی تحریک کی گئی ہے۔

(مسلم کتاب الرضاع، باب المطلقة ثلثاً لا نفقة لها)

اسی طرح ایک حد تک عمر اور طبیعت کی مناسبت کو بھی ملحوظ رکھنے کی سفارش کی گئی ہے۔

(مسلم کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح البکر و بخاری کتاب النکاح، باب الثیبات)

اور یہی اصول دوسرے حالات میں چسپاں ہوتا ہے مگر جس بات کی اسلام ہدایت دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ان باتوں کو دینی پہلو کے مقابلہ میں ترجیح نہیں دینی چاہئے کیونکہ اگر دینی پہلو کی خوبیاں موجود نہ ہوں تو محض یہ خوبیاں حقیقی اور دائمی خوشی کی بنیاد نہیں بن سکتیں بلکہ بعض صورتوں میں مُضر اور نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں۔

اب ایک طرف تعدّد ازدواج کی اغراض

اور دوسری طرف اس اصول کو جو بیویوں کے انتخاب کے لیے اسلام نے تجویز کیا ہے، مدِّ نظر رکھا جاوے تو ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی بابرکت انتظام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں قائم کیا ہے اور اس میں بنی نوع انسان کے بڑے سے بڑے حصہ کی بڑی سے بڑی بھلائی مدِّ نظر ہے۔ دراصل جن لوگوں نے تعدّد ازدواج کے خلاف رائے ظاہر کی ہے انہوں نے اپنی نظر کو بہت ہی محدود رکھا ہے اور خاوند و بیوی کے جذباتی تعلقات کے سوا کسی اور بات کی طرف ان کی نظر نہیں اٹھی اور نہ ان لوگوں نے کبھی ٹھنڈے دل سے نکاح کی اغراض اور بنی نوع انسان کی ضروریات کے متعلق غور کیا ہے، ورنہ یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ کوئی فہمیدہ شخص اس کی خوبیوں سے انکار کی گنجائش پاتا۔ پھر یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ تعدّد ازدواج کا انتظام اسلام میں قاعدہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ ایک استثناء ہے جو نکاح کی جائز اغراض کے حصول اور نسل انسانی کی جائز ضروریات کے پورا کرنے کے لیے خاص خاص قسم کے حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جاری کی گئی ہے۔ پس اس کے متعلق رائے لگاتے ہوئے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ کیا دُنیا میں انسان کو ایسے حالات پیش نہیں آسکتے کہ جن کے ماتحت تعدّد ازدواج ایک ضروری علاج قرار پاتا ہے اور انسان کی ذات یا اس کے خاندان یا اس کی قوم یا اس کے ملک کے مفاد اس بات کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں کہ وہ دوسری بیوی سے شادی کرے۔ مجھے شہنشاہ نپولین کی زندگی کا وہ واقعہ نہیں بھولتا کہ جب اس نے اپنے ملکی مفاد کے ماتحت حصولِ اولاد کی غرض سے دوسری بیوی کی ضرورت محسوس کی مگر یہ ضرورت کس طرح پوری کی گئی؟ اس کے تصور سے میرے بدن پر ایک لرزہ آجاتا ہے۔ شہنشاہ کی ملکہ جوزفین کی طلاق کا واقعہ تاریخ کے تاریک ترین واقعات میں سے ہے اور اس کی تہہ میں یہی جھوٹا جذباتی خیال ہے کہ انسان کو کسی صورت میں بھی ایک سے زیادہ بیوی نہیں کرنی چاہئے۔ افسوس! اس جھوٹے جذباتی خیال نے کئی کمزور لوگوں کے تقویٰ پر ڈاکہ ڈالا۔ کئی خاندانوں کو بے نسل کر کے دنیا سے مٹا دیا۔ کئی گھروں کی خوشیوں کو تباہ کیا۔ کئی گھرانوں اور کئی قوموں اور کئی ملکوں کے اتحاد کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کئی یتیموں کو آوارہ کیا۔ کئی بیوگان کو کسمپرسی کی حالت میں چھوڑا۔ کئی قوموں کی نسل کو تنزّل کے رستے پر ڈال کر ان کی تباہی کا بیج بویا اور یہ سب کچھ صرف اس لیے ہوا کہ عورت ہر صورت میں اپنے خاوند کی توجہ کی اکیلی مالک بنی رہے! مگر یہ ایک عجیب قربانی ہے کہ بڑی چیز کو چھوٹی چیز پر قربان کیا جاتا ہے، حالانکہ حق یہ تھا کہ اخلاقی فوائد پر مادی فوائد قربان کئے جاتے۔ دینی منافع پر دنیاوی منافع قربان کئے جاتے۔ خاندانی مصالح پر ذاتی مصالح قربان کئے جاتے۔ قومی مفاد پر انفرادی مفاد قربان کیے جاتے اور درحقیقت تعدّد ازدواج کا تو انتظام ہی ایک مجسم قربانی کا انتظام ہے اور اس میں خاوند اور بیوی دونوں کی ذاتی اور جسمانی قربانی کے ذریعہ اخلاقی اور دینی اور خاندانی اور قومی اور ملکی مصالح کے لیے راستہ کھولا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اسلام میں تعدّد ازدواج کا انتظام ایک استثنائی انتظام ہے جو انسانوں کی خاص ضروریات کو مدِّ نظر رکھ کر جاری کیا گیا ہے اور یہ ایک قربانی ہے جو مرد اور عورت دونوں کو اپنے اخلاق اور دین اور خاندان اور قوم اور ملک کے لیے خاص حالات میں کرنی پڑتی ہے اور اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس قسم کے حالات کے پیدا ہونے پر جو تعدّد ازدواج کے لیے ضروری ہیں اپنی خواہش اور اپنے جسمانی آرام کو زیادہ بڑے مفاد کے لیے قربانی کر دینے میں تامل نہیں کریگا اور موقع پیش آنے پر یہ ثابت کر دے گا کہ اس کی زندگی صرف اس کی ذات یا اس کے گھر تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ دنیا کی وسیع انسانیت کا ایک فرد ہے جس کی خاطر اسے اپنے شخصی مفاد کے قربان کرنے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تعدّد ازدواج کی جائز ضرورت کے پیدا ہونے پر بھی اسلام نے تعدّد ازدواج کو لازمی نہیں قرار دیا بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسے اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا ہے کہ اگر انسان عدل کرنے کے قابل ہو تو تب تعدّد ازدواج پر عمل کرے، ورنہ بہرحال صرف ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرے اور عدل سے اس جگہ صرف بیویوں کے درمیان عدل کرنا مراد نہیں بلکہ ان کے ہر قسم کے حقوق کا ادا کرنا مراد ہے جو تعدّد ازدواج کی صورت میں انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ پس تعدّد ازدواج کی دو شرطیں ہوئیں۔ **اوّل** ان جائز اغراض میں سے کسی غرض کا پیدا ہو جانا جو اسلام نے اس کے لیے مقرر کی ہیں۔ **دوم** انسان کا عدل کر سکنے کے قابل ہونا اور ان دونوں شرطوں کے پورا ہونے کے بغیر تعدّد ازدواج پر عمل کرنے والا شخص اپنے وقت، اپنی توجہ، اپنے مال، اپنے ظاہری سلوک غرضیکہ دل کی محبت کے سوا جس پر انسان کو اختیار نہیں ہوتا باقی سب چیزوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ بلا کم و کاست ایک سا معاملہ کرے۔ (مشکوٰۃ کتاب القسم) اور غور کیا جاوے تو یہ پابندی خود ایک عظیم الشان قربانی ہے جو خاوند کو کرنی پڑتی ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اسے اپنی بیویوں میں سے ان کے ذاتی حالات اور ذاتی قابلیت کے فرق کی وجہ سے کسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کسی سے کم۔ مگر پھر بھی وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنی ہر چیز کو ترازو کی طرح تول کر اپنی بیویوں میں برابر برابر تقسیم کرے اور یہ قربانی صرف خاوند ہی کی قربانی نہیں بلکہ اس قربانی میں اس کی بیویاں بھی برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ ان حالات میں ہر عقلمند شخص سمجھ سکتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسلام نے تعدّد ازدواج کے معاملہ میں تعیش کے خیال تک سے منع فرمایا ہے بلکہ اس نے اس کے لیے عملی طور پر شرطیں بھی ایسی لگا دی ہیں کہ کوئی شخص ان شرطوں پر کاربند ہوتا ہوا عیش و عشرت میں پڑ ہی نہیں سکتا۔

اس موقع پر یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں بلکہ دنیا کی کسی قوم میں بھی تعدّد ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں تھی اور ہر شخص جتنی بیویاں بھی چاہتا تھا رکھ سکتا تھا۔ مگر اسلام نے علاوہ دوسری شرائط عائد کرنے کے تعداد کے لحاظ سے بھی اسے زیادہ سے زیادہ چار تک محدود کر دیا۔ چنانچہ تاریخ سے پتا لگتا ہے کہ جن نو مسلموں کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں انہیں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ باقیوں کو طلاق دیدیں۔ مثلاً غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ جن میں سے چھ کو حکماً طلاق دلوا دی گئی۔

(ترمذی، ابواب النکاح)

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں میں کون سی اغراض مدِّ نظر تھیں کیونکہ ہمارا اصل مضمون یہی ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ عام اغراض تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں میں وہی تھیں جو اسلام نے عام طور پر نکاح اور تعدّد ازدواج کی بیان کی ہیں اور جن کا ذکر اُوپر گذر چکا ہے اور ان اغراض میں سے خصوصیت کے ساتھ آپؐ کے مدِّ نظر بقائے نسل محبت اور رحمت کے تعلقات کی توسیع اور انتظام یتامیٰ و بیوگان کی غرضیں تھیں اور محبت اور رحمت کے تعلقات کی توسیع کی غرض کے ماتحت آپ کے پیشِ نظر ایسی عورتیں تھیں جو مصالح مذہب، مصالح قوم و ملت اور مصالح سیاست وحکومت کے لحاظ سے زیادہ مناسب تھیں، لیکن ان عام اغراض کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص حالات کے ماتحت آپؐ کی شادیوں کی بعض خاص وجوہات بھی تھیں اور یہ اغراض دو تھیں۔ اوّل آپؐ کے ذاتی نمونہ سے بعض جاہلانہ رسوم اور غلط عقائد کی عملی تردید۔ دوم بعض مناسب عورتوں کو آپؐ کی تربیت میں رکھ کر ان کے ذریعہ اسلامی شریعت کے اس حصہ کا استحکام جو مستورات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَهَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا

(سورۃ احزاب:38)

یعنی اَے رسول! جب تیرے مُنہ بنائے بیٹے زید بن حارثہ نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دیدی تو ہم نے اس کی شادی کی تجویز خود تیرے ساتھ کر دی تا کہ اس ذریعہ سے یہ جاہلانہ رسم مِٹ جاوے کہ مُنہ بُلایا بیٹا اصل بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کی مطلقہ بیوی یا بیوہ بیٹا بنانے والے شخص کیلئے جائز نہیں ہوتی اور آئندہ کیلئے مومنوں کے دلوں میں اس امر کے متعلق کوئی دُبِدہ یا خلش باقی نہ رہے۔

اس آیت میں پہلی غرض بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ کے ذریعہ سے بعض ان جاہلانہ رسوم کا استیصال کیا جاوے جو عربوں کی طبیعت میں اس قدر راسخ ہو چکی تھیں کہ ان کا حقیقی استیصال بغیر اس کے ناممکن تھا کہ آپ اس معاملہ میں خود ایک عملی نمونہ قائم کریں۔ چنانچہ متبنّٰی بنانے کی رسم عرب میں بہت راسخ اور رائج تھی اور اس معاملہ میں الٰہی حکم نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ

غلام زید بن حارثہ کو متبنّٰی بنایا ہوا تھا، اس لیے جب یہ حکم نازل ہوا کہ کسی شخص کو محض منہ بولا بیٹا بنا لینے سے وہ اصل بیٹا نہیں ہو جاتا اور اس کے بعد یہ واقعہ پیش آ گیا کہ زید بن حارثہ نے اپنی بیوی زینب بنت جحش کو طلاق دیدی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی حکم کے ماتحت زینب کے ساتھ خود شادی فرمائی اور اس طرح اس جاہلانہ رسم کا استیصال کیا جو آپؐ کے عملی نمونہ کے بغیر پوری طرح مِٹنی محال تھی۔ علاوہ ازیں آپؐ نے زینب کے ساتھ شادی کر کے اس بات میں بھی عملی نمونہ قائم فرما دیا کہ کسی طلاق شدہ عورت کے ساتھ شادی کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

پھر فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○

(سورۃ احزاب:29-30)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ (سورۃ احزاب:33)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا○

(سورۃ احزاب:34، 35)

یعنی اَے نبی! تم اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تمہیں یہ خواہش ہے کہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان تمہیں مل جاوے تو آؤ میں تمہیں دنیا کا مال و متاع دیئے دیتا ہوں، مگر اس صورت میں تم میری بیویاں نہیں رہ سکتیں بلکہ پھر میں احسان و مروت کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں گا۔ لیکن اگر تم خدا اور اس کے رسول کی خواہش رکھتی ہو اور آخرت کا اجر چاہتی ہو تو سُن لو کہ تم میں سے ان نیکوکاروں کے لیے جو خدا کے منشاء کو پورا کریں خدا نے بہت بڑا اجر تیار کیا ہے ......اَے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور نماز کو اس کی اصلی صورت میں قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور خدا اور اس کے رسول کی پوری پوری اطاعت کرو (کیونکہ خدا نے تمہیں ایک خاص کام کے لیے چُنا ہے) اَے نبی کے اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی کمزوریوں اور نقصوں کو دُور کر کے تمہیں خوب اچھی طرح پاک وصاف کر دے تا کہ تم ان آیاتِ الٰہی اور ان حکمت کی باتوں کو لوگوں تک پہنچاؤ جو نبی کے ذریعہ سے تمہارے گھروں میں سُنائی جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے یہ کام اس لیے لینا چاہتا ہے کہ وہ اگر بوجہ لطیف ہونے کے خود لوگوں کی نظروں سے اوجھل اور مخفی ہے تو بوجہ خبیر ہونے کے وہ لوگوں کی ضروریات سے آگاہ بھی ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ ہدایتِ خلق کا کام انسانوں کے واسطے سے سرانجام دے۔

اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدّد ازدواج کی مخصوص غرض میں سے دوسری اور بڑی غرض بتائی گئی ہے یعنی یہ کہ آپؐ کے ساتھ مناسب مستورات کو بطور بیویوں کے رکھ کر انہیں مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تیار کیا جاوے۔ یہ وہ خاص الخاص غرض ہے جس کے ماتحت آپؐ کی شادیاں وقوع میں آئیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک ایسی غرض ہے جو آپؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص تھی اور اسی لیے عام مسلمانوں کے لیے جو حد بندی تعدّد ازدواج کی مقرر کی گئی ہے اس سے آپ مستثنٰی تھے۔ دراصل چونکہ آپ ایک شرعی نبی تھے اور آپؐ کے ذریعہ سے دنیا میں ایک نئے شرعی قانون اور نئے تہذیب وتمدن کی بنیاد پڑنی تھی اس لیے صرف اس قدر کافی نہیں تھا کہ آپؐ کے ذریعہ نئے احکام کی اشاعت ہو جاتی بلکہ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ آپ خود اپنی نگرانی میں اس نئی شریعت کو تفصیلاً جاری فرماتے اور لوگوں کی زندگیوں کو اس جدید داغ بیل پر عملاً چلا دیتے جو اسلام نے قائم کی تھی۔ یہ کام ایک نہایت مشکل اور نازک کام تھا اور گو مردوں کے معاملہ میں بھی آپ کے رستے میں بہت سی مشکلات تھیں لیکن مستورات کے متعلق تو یہ ایک نہایت ہی مشکل کام تھا کیونکہ اوّل تو بوجہ ان کے عموماً اپنے گھروں میں رہنے اور اپنے خانگی مشاغل کی مصروفیت کے انہیں آپؐ کی صحبت سے مستفیض ہونے کے زیادہ موقعے نہیں تھے۔ دوسرے اس طبعی حیاء کی وجہ سے جو عورتوں میں ہوتی ہے وہ ان مخصوص مسائل کو جو عورتوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں زیادہ آزادی کے ساتھ آپؐ سے دریافت نہیں کر سکتی تھیں اور اس کے مقابلہ میں عورتوں میں تعلیم کی نسبتاً کمی اور جاہلانہ رسوم کی پابندی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مقررہ طریق میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کے لیے جلد تیار نہیں ہوتیں ان حالات میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق خاص انتظام کی ضرورت تھی اور اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مناسب عورتوں کے ساتھ شادی کر کے انہیں اپنی تربیت میں اس کام کے قابل بنا دیں اور پھر آپ کی یہ ازواج مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت کا کام سرانجام دیں۔ چنانچہ یہ تجویز کارگر ہوئی اور مسلمان عورتوں نے بڑی خوبی کے ساتھ اور نہایت قلیل عرصہ میں اپنی زندگیوں کو جدید شریعت کے مطابق بنالیا۔ حتّٰی کہ دنیا کی کسی قوم میں یہ مثال نظر نہیں آتی کہ طبقہ نسواں نے ایسے قلیل عرصہ میں اور اس درجہ تکمیل کے ساتھ ایک بالکل نئے قانون اور نئے تہذیب وتمدن کو اختیار کر لیا ہو۔

اس بات کا ایک عملی ثبوت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں نفسانی اغراض کے ماتحت نہیں تھیں بلکہ دینی اغراض کے ماتحت تھیں اس بات سے بھی ملتا ہے کہ آپؐ نے بعض ایسی عورتوں کے ساتھ شادی فرمائی جو اتنی عمر کو پہنچ چکی تھیں کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ مثلاً حضرت ام سلمہؓ جن سے آپؐ نے ۴ ہجری میں شادی فرمائی، ان کی عمر شادی کے وقت پیدائش اولاد وغیرہ کی حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس بناء پر عذر بھی کیا، مگر چونکہ آپؐ کی غرض و غایت دینی تھی اور اس غرض کے لیے وہ بہت مناسب تھیں، اس لیے آپؐ نے ان کو باصرار رضامند کر کے ان کے ساتھ شادی فرمالی۔

(نسائی بحوالہ زرقانی جلد 2، حالات اُمّ سلمہؓ و ابن سعد جلد 8 حالات اُمّ سلمہؓ)

الغرض وہ اغراض جن کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں وقوع میں آئیں نہایت مبارک اور پاکیزہ تھیں اور ان میں غالب طور پر فرائضِ نبوت کی ادائیگی مدِّنظر تھی اور شادیوں پر ہی موقوف نہیں بلکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا جاوے تو پتا لگتا ہے کہ آپؐ جو کام بھی کرتے تھے خواہ وہ بظاہر دُنیا کا ہو یا دین کا اس میں بلاواسطہ یا بالواسطہ آپؐ کی مقدم اور غالب غرض فرائض نبوت کی ادائیگی ہوتی تھی اور دنیا کی نعمتوں سے آپؐ کو کبھی بھی شغف نہیں ہوا اور مندرجہ ذیل حدیث یقیناً آپ کی زندگی کا بہترین نقشہ ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔ (مسند احمد و ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الرقاق صفحہ 442)

یعنی ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک موٹی اور کھردری چٹائی پر لیٹ کر سو گئے جب آپؐ اُٹھے تو اس چٹائی کا نشان آپؐ کے جسم پر نظر آتا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پسند فرمائیں تو ہم آپؐ کے لیے آرام و آسائش کا سامان مہیا کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا ابنِ مسعود! مجھے دنیا کی نعمتوں سے کیا کام ہے میری اور دنیا کی مثال تو یہ ہے کہ ایک سوار راستہ پر چلا جاتا ہو اور وہ تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے سایہ کے نیچے دم لینے کے لیے ٹھہر جاوے اور پھر اُٹھ کر اپنا راستہ لے لے۔

اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ دُنیا کی نعمتوں سے متمتع ہونا منع ہے کیونکہ اسلام کسی جائز نعمت سے جائز طور پر متمتع ہونے سے منع نہیں کرتا بلکہ خود قرآن شریف میں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:202)

یعنی اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی نعمتوں سے بھی حصہ دے اور آخرت کی نعمتوں سے بھی حصہ دے۔

پس حدیث مندرجہ بالا سے صرف مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کا اصل مقصد دنیا کی نعمتوں کا حصول نہیں سمجھنا چاہئے اور نیز اس حدیث سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر دنیا کی نعمتوں سے قطعاً کوئی شغف نہیں تھا اور جہاں تک نعماء دنیا کا تعلق ہے آپ کی زندگی ایک محض مسافرانہ زندگی تھی۔

تعدّد ازدواج کے متعلق اس نوٹ میں یہ ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کہ تعدّد ازدواج کی

اجازت دینے میں اسلام اکیلا نہیں ہے بلکہ دُنیا کے اکثر مذاہب میں تعدّد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے مثلاً موسوی شریعت میں اس کی اجازت ہے۔(استثناء باب 21، آیت 15، سلاطین 1 باب 11 آیت 3) اور بنو اسرائیل کے بہت سے انبیاء اس پر عملاً کاربند رہے ہیں۔(مثلاً دیکھو حالات حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب و حضرت داؤد اور حضرت سلیمان وغیرہم علیہم السلام)

ہندوؤں کے مذہب میں تعدّد ازدواج کی اجازت ہے۔(منو 9/122، 9/149، 9/183) اور کئی ہندو بزرگ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے رہے ہیں مثلاً کرشن جی تعدّد ازدواج پر عملاً کاربند تھے۔(شری کرشن مصنفہ لالہ لاجپت رائے صفحہ 97، 98) اور ہندو راجے مہاراجے تو اب تک تعدّد ازدواج پر کاربند ہیں۔اسی طرح حضرت مسیح ناصری کا بھی کوئی قول تعدّد ازدواج کے خلاف مروی نہیں ہے اور چونکہ شریعت موسوی میں اس کی اجازت تھی اور عملاً بھی حضرت مسیح ناصری کے زمانہ میں تعدّد ازدواج کا رواج تھا، اس لیے ان کی خاموشی سے یہی نتیجہ نکالا جائیگا کہ وہ اسے جائز سمجھتے تھے۔پس اسلام نے اس میں کوئی جدّت نہیں کی۔البتہ اسلام نے یہ کیا کہ تعدّد ازدواج کی حد بندی کر دی اور اسے ایسے شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا کہ افراد اور اقوام کے استثنائی حالات کے لیے ایک مفید اور بابرکت نظام قائم ہو گیا۔

اس نوٹ کے خاتمہ پر یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ گو مخالفین کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں پر بہت سخت اعتراض کئے گئے ہیں اور ہر شخص نے اپنی فطرت اور اپنے خیالات کے مطابق آپؐ کے تعدّد ازدواج کے مسئلہ کو دیکھا ہے مگر پھر بھی صداقت کبھی مخالفین کے قلم و زبان پر بھی غالب آ گئی ہے اور انہیں اگر کلی طور پر نہیں تو کم از کم جزواً حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔چنانچہ مسٹر مارگولیس بھی جن کی آنکھ عموماً ہر سیدھی بات کو اُلٹا دیکھنے کی عادی ہے اس معاملہ میں حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں۔وہ اپنی کتاب ”محمد“ میں لکھتے ہیں:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہت سی شادیاں جو خدیجہؓ کے بعد وقوع میں آئیں بیشتر یورپین مصنفین کی نظر میں نفسانی خواہشات پر مبنی قرار دی گئی ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر اس جذبہ پر مبنی نہیں تھیں۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہت سی شادیاں قومی اور سیاسی اغراض کے ماتحت تھیں کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتے تھے کہ اپنے خاص خاص صحابیوں کو شادیوں کے ذریعہ سے اپنی ذات کے ساتھ محبت کے تعلقات میں زیادہ پیوست کر لیں۔ابوبکر و عمر کی لڑکیوں کی شادیاں یقیناً اسی خیال کے ماتحت کی گئی تھیں۔اسی طرح سربرآوردہ دشمنوں اور مفتوح رئیسوں کی لڑکیوں کے ساتھ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شادیاں سیاسی اغراض کے ماتحت وقوع میں آئی تھیں۔“

(مارگولیس صفحہ 176-177)

یہ اس شخص کی رائے ہے جو آنحضرت ﷺ کے سوانح نگاروں میں عناد اور تعصب کے لحاظ سے غالباً صفِ اوّل میں ہے اور گو مارگولیس صاحب کی یہ رائے غلطی سے بالکل پاک نہیں ہے۔مگر اس سے یہ ثبوت ضرور ملتا ہے کہ صداقت کس طرح ایک عنید دل کو بھی مغلوب کر سکتی ہے۔ **والفضل ماشهدت به الاعداء**۔(سیرت خاتم النّبیین صفحہ 432)

......☆......☆......☆......

ارشادِ نبوی ﷺ

اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ (ابن ماجہ)

(اپنے بچوں سے عزّت کے ساتھ پیش آؤ)

طالب دُعا: اراکین جماعت احمدیہ ممبئی

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام

عليك الصلوة عليك السلام

از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ

بدرگاہِ ذی شان خیر الانام　شفیع الوریٰ مرجع خاص و عام
بصد عجز و منّت بصد احترام　یہ کرتا ہے عرض آپؐ کا اِک غُلام
کہ اے شاہِ کونین عالی مقام
عليك الصلوة عليك السلام

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں　جو دیکھا وہ حسن اور وہ نورِ جبیں
پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں　کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خُلق کامل زہے حُسنِ تام
عليك الصلوة عليك السلام

خلائق کے دِل تھے یقیں سے تہی　بُتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دُنیا پہ وہ چھا رہی　کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوا آپؐ کے دم سے اس کا قیام
عليك الصلوة عليك السلام

محبت سے گھائل کیا آپؐ نے　دلائل سے قائل کیا آپؐ نے
جہالت کو زائل کیا آپؐ نے　شریعت کو کامل کیا آپؐ نے
بیاں کر دیئے سب حلال و حرام
عليك الصلوة عليك السلام

نبوت کے تھے جس قدر بھی کمال　وہ سب آپؐ میں جمع ہیں لامحال
صفاتِ جمال اور صفاتِ جلال　ہر اِک رنگ ہے بس عدیم المثال
لیا ظُلم کا عفو سے انتقام
عليك الصلوة عليك السلام

مقدّس حیات اور مُطہر مذاق　اطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
سوارِ جہاں گیر یکراں براق　کہ بگذشت از قصر نیلی رواق
محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
عليك الصلوة عليك السلام

علمدارِ عُشاقِ ذاتِ یگاں　سپہدارِ افواجِ قُدوسیاں
معارف کا اِک قُلزمِ بیکراں　افاضات میں زندۂ جاوداں
پلا ساقیا آبِ کوثر کا جام
عليك الصلوة عليك السلام

کلامُ الامام

”تم اس بات کو کبھی مت بھولو کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر جی ہی نہیں سکتے۔“

(ملفوظات جلد 4، صفحہ 616)

طالبِ دعا: مصدق احمد، امیر جماعت احمدیہ بنگلور، کرناٹک

کلامُ الامام

”یہ زندگی جس پر فخر کیا جاتا ہے ہیچ ہے اور ہمیشہ کی خوشی کی وہی زندگی ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوگی۔“

(ملفوظات جلد 4، صفحہ 616)

طالبِ دُعا: سکینۃ الدین صاحبہ، اہلیہ مکرم سلطان محمد الدین صاحب آف سکندر آباد

سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ـــ فتح مکہ کے عظیم الشان واقعات کی روشنی میں

ـــــ((سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی کتاب ”نبیوں کا سردار“ سے ایک دلچسپ، ایمان افروز باب))ـــــ

آٹھویں سنہ ہجری کے رمضان کے مہینہ، مطابق دسمبر 629ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس آخری جنگ کے لیے روانہ ہوئے جس نے عرب میں اسلام کو قائم کر دیا۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ فیصلہ ہوا تھا کہ عرب قبائل میں سے جو چاہیں مکہ والوں سے مل جائیں اور جو چاہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں اور یہ کہ دس سال تک دونوں فریق کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی اجازت نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ ایک دوسرے پر حملہ کر کے معاہدہ کو توڑ دے۔ اس معاہدہ کے ماتحت عرب کا قبیلہ بنو بکر مکہ والوں کے ساتھ ملا تھا اور خزاعہ قبیلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ کفارِ عرب معاہدہ کی پابندی کا خیال کم ہی رکھتے تھے خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں۔ چنانچہ بنو بکر کو چونکہ قبیلہ خزاعہ کے ساتھ پُرانا اختلاف تھا، صلح حدیبیہ پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے مکہ والوں سے مشورہ کیا کہ خزاعہ تو معاہدہ کی وجہ سے بالکل مطمئن ہیں اب موقع ہے کہ ہم لوگ ان سے بدلہ لیں۔ چنانچہ مکہ کے قریش اور بنو بکر نے ملکر رات کو بنی خزاعہ پر چھاپا مارا اور ان کے بہت سے آدمی مار دیئے۔ خزاعہ کو جب معلوم ہوا کہ قریش نے بنو بکر سے مل کر یہ حملہ کیا ہے تو انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع دینے کے لیے چالیس آدمی تیز اونٹوں پر فوراً مدینہ کو روانہ کیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ باہمی معاہدہ کی رو سے اب آپ کا فرض ہے کہ ہمارا بدلہ لیں اور مکہ پر چڑھائی کریں۔ جب یہ قافلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا تمہارا دکھ میرا دکھ ہے میں اپنے معاہدہ پر قائم ہوں۔ یہ بادل جو سامنے برس رہا ہے (اُس وقت بارش ہو رہی تھی) جس طرح اس میں سے بارش ہو رہی ہے اسی طرح جلدی ہی تمہاری مدد کے لیے اسلامی فوجیں پہنچ جائیں گی۔ جب مکہ والوں کو اس وفد کا علم ہوا تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا، تا کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو حملہ سے باز رکھے۔ ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دینا شروع کیا کہ چونکہ صلح حدیبیہ کے وقت میں موجود نہ تھا اس لیے نئے سرے سے معاہدہ کیا جائے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ جواب دینے سے راز ظاہر ہو جاتا تھا۔ ابوسفیان نے مایوسی کی حالت میں گھبرا کر مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے لوگو! میں مکہ والوں کی طرف سے نئے سرے سے آپ لوگوں کیلئے امن کا اعلان کرتا ہوں۔

(سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 39 مطبوعہ مصر 1936)

یہ بات سن کر مسلمان اس کی بیوقوفی پر ہنس پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوسفیان! یہ بات تم یکطرفہ کہہ رہے ہو ہم نے کوئی ایسا معاہدہ تم سے نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی دوران میں چاروں طرف مسلمان قبائل کی طرف پیغامبر بھجوا دیئے اور جب یہ اطلاعیں آ چکیں کہ مسلمان قبائل تیار ہو چکے ہیں اور مکہ کی طرف کوچ کرتے ہوئے راستہ میں مل جائیں گے تو آپ نے مدینہ کے لوگوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ جنوری 630ء کی پہلی تاریخ کو یہ لشکر مدینہ سے روانہ ہوا اور راستہ میں چاروں طرف مسلمان قبائل آ آ کر لشکر میں شامل ہوتے گئے۔ چند ہی منزلیں طے کرنے کے بعد جب یہ لشکر فاران کے جنگل میں داخل ہوا تو اس کی تعداد سلیمان نبی کی پیشگوئی کے مطابق دس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اِدھر تو یہ لشکر مکہ کی طرف مارچ کرتا چلا جا رہا تھا اور اُدھر مکہ والے اس خاموشی کی وجہ سے جو فضا پر طاری تھی زیادہ سے زیادہ خوف زدہ ہوتے جاتے تھے۔ آخر انہوں نے مشورہ کر کے ابوسفیان کو پھر اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مکہ سے باہر نکل کر پتا تو لے کہ مسلمان کیا کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ سے ایک منزل باہر نکلنے پر ہی ابوسفیان نے رات کے وقت جنگل کو آگ سے روشن پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا کہ تمام خیموں کے آگے آگ جلائی جائے۔ جنگل میں دس ہزار اشخاص کیلئے خیموں کے آگے بھڑکتی ہوئی آگ ایک ہیبت ناک نظارہ پیش کر رہی تھی۔ ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کیا آسمان سے کوئی لشکر اُترا ہے؟ کیونکہ عرب کی کسی قوم کا لشکر اتنا بڑا نہیں ہے۔ اس کے ساتھیوں نے مختلف قبائل کے نام لیے لیکن اس نے کہا نہیں نہیں، عرب کے قبائل میں سے کسی قوم کا لشکر بھی اتنا بڑا کہاں ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بات کر ہی رہا تھا کہ اندھیرے میں سے آواز آئی ابو حنظلہ! (یہ ابو سفیان کی کنیت تھی) ابوسفیان نے کہا عباس! تم یہاں کہاں؟ انہوں نے جواب دیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر سامنے ہے اور اگر تم لوگوں نے جلد جلد کوئی تدبیر نہ کر لی تو شکست اور ذلت تمہارے لیے بالکل تیار ہے۔ چونکہ عباسؓ ابوسفیان کے پُرانے دوست تھے اس لیے یہ بات کرنے کے بعد انہوں نے ابوسفیان سے اصرار کیا کہ وہ ان کے ساتھ سواری پر بیٹھ جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُونٹ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا اور اُونٹ کو ایڑی لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے۔ حضرت عباسؓ ڈرتے تھے کہ حضرت عمرؓ جو اُن کے ساتھ پہرہ پر مقرر تھے کہیں اس کو قتل نہ کر دیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے کہ اگر ابوسفیان تم میں سے کسی کو ملے تو اُسے قتل نہ کرنا۔ یہ سارا نظارہ ابوسفیان کے دل میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا کر چکا تھا۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ چند ہی سال پہلے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک ساتھی کے ساتھ مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ابھی سات ہی سال گزرے ہیں کہ وہ دس ہزار قدوسیوں سمیت مکہ پر بِلا ظلم اور بِلا تعدی کے جائز طور پر حملہ آور ہوا ہے اور مکہ والوں میں طاقت نہیں کہ اس کو روک سکیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس تک پہنچتے پہنچتے کچھ ان خیالات کی وجہ سے اور کچھ دہشت اور خوف کی وجہ سے ابوسفیان مبہوت سا ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی یہ حالت دیکھی تو حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور رات اپنے پاس رکھو، صبح اِسے میرے پاس لانا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 44 مطبوعہ مصر 1936)

چنانچہ رات ابوسفیان حضرت عباسؓ کے ساتھ رہا۔ جب صبح اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو فجر کی نماز کا وقت تھا۔ مکہ کے لوگ صبح اُٹھ کر نماز پڑھنے کو کیا جانتے تھے اس نے اِدھر اُدھر مسلمانوں کو پانی کے بھرے ہوئے لوٹے لے کر آتے جاتے دیکھا اور اسے نظر آیا کہ کوئی وضو کر رہا ہے کوئی صف بندی کر رہا ہے تو ابوسفیان نے سمجھا کہ شاید میرے لیے کوئی نئی قسم کا عذاب تجویز ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے گھبرا کر حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ لوگ صبح صبح یہ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا تمہارے لیے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ لوگ نماز پڑھنے لگے ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے دیکھا کہ ہزاروں ہزار مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے ہیں اور جب آپ رکوع کرتے ہیں تو سب کے سب رکوع کرتے ہیں اور جب آپ سجدہ کرتے ہیں تو سب کے سب سجدہ کرتے ہیں۔ حضرت عباسؓ چونکہ پہرہ پر ہونے کی وجہ سے نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے، ابوسفیان نے ان سے پوچھا اب یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں وہی یہ لوگ کرنے لگ جاتے ہیں۔ عباسؓ نے کہا تم کن خیالات میں پڑے ہو یہ تو نماز ادا ہو رہی ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کو حکم دیں کہ کھانا پینا چھوڑ دو تو یہ لوگ کھانا اور پینا بھی چھوڑ دیں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے لیکن ان کی قوموں کو ان کا اتنا فدائی نہیں دیکھا جتنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اس کی فدائی ہے۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 92، مطبوعہ مصر 1935)

پھر عباسؓ نے کہا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آج یہ درخواست کرو کہ آپ اپنی قوم سے عفو کا معاملہ کریں۔ جب نماز ختم ہو چکی تو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا، ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھ پر یہ حقیقت روشن ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نہایت ہی حلیم، نہایت ہی شریف اور

نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے انسان ہیں۔ میں اب یہ بات تو سمجھ چکا ہوں کہ اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو کچھ تو ہماری مدد کرتا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اِس بارہ میں ابھی میرے دل میں کچھ شبہات ہیں۔ مگر ابو سفیان کے تردّد کے باوجود اس کے دونوں ساتھی جو اس کے ساتھ ہی مکہ سے باہر مسلمانوں کے لشکر کی خبر لینے کے لیے آئے تھے اور جن میں سے ایک حکیم بن حزام تھے وہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ابوسفیان بھی اسلام لے آیا، مگر اس کا دل غالباً فتح مکہ کے بعد پوری طرح کھلا۔ ایمان لانے کے بعد حکیم بن حزام نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ لشکر آپ اپنی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے اُٹھا لائے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لوگوں نے ظلم کیا، ان لوگوں نے گناہ کیا اور تم لوگوں نے حدیبیہ میں باندھے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور خزاعہ کے خلاف ظالمانہ جنگ کی۔ اُس مقدس مقام پر جنگ کی جس کو خدا نے امن عطا فرمایا ہوا تھا۔ حکیم نے کہا یا رسول اللہ! ٹھیک ہے آپ کی قوم نے بیشک ایسا ہی کیا ہے لیکن آپ کو تو چاہئے تھا کہ بجائے مکہ پر حملہ کرنے کے ہوازن قوم پر حملہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم بھی ظالم ہے لیکن میں خدا تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ مکہ کی فتح اور اسلام کا غلبہ اور ہوازن کی شکست یہ ساری باتیں میرے ہی ہاتھ پر پوری کرے گا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ! اگر مکہ کے لوگ تلوار نہ اُٹھائیں تو کیا وہ امن میں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! ہر شخص جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امن دیا جائے گا۔ حضرت عباسؓ نے کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان فخر پسند آدمی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میری عزت کا بھی کوئی سامان کیا جائے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اس کو بھی امن دیا جائے گا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 45،46 مطبوعہ مصر 1936)

جو مسجد کعبہ میں گھس جائے اس کو بھی امن دیا جائے گا۔ جو اپنے ہتھیار پھینک دے اس کو بھی امن دیا جائے گا۔ جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا اس کو بھی امن دیا جائے گا۔ جو حکیم بن حزام کے گھر میں چلا جائے اس کو بھی امن دیا جائے گا۔ اس کے بعد ابی رویحہؓ جن کو آپ نے بلالؓ حبشی غلام کا بھائی بنایا ہوا تھا ان کے متعلق آپ نے فرمایا، ہم اس وقت ابی رواحہؓ کو اپنا جھنڈا دیتے ہیں جو شخص ابی رویحہؓ کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہوگا ہم اس کو بھی کچھ نہ کہیں گے۔ اور بلال سے کہا کہ تم ساتھ ساتھ یہ اعلان کرتے جاؤ کہ جو شخص ابی رویحہؓ کے جھنڈے کے نیچے آجائے گا اس کو امن دیا جائے گا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 93 مطبوعہ مصر 1935)

اس حکم میں کیا ہی لطیف حکمت تھی۔ مکہ کے لوگ بلالؓ کے پیروں میں رسی ڈال کر اس کو گلیوں میں کھینچا کرتے تھے۔ مکہ کی گلیاں، مکہ کے میدان بلالؓ کے لیے امن کی جگہ نہیں تھے بلکہ عذاب اور تذلیل اور تضحیک کی جگہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ بلالؓ کا دل آج انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہوگا۔ اِس وفادار ساتھی کا انتقام لینا بھی نہایت ضروری ہے۔ مگر یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارا انتقام اسلام کی شان کے مطابق ہو۔ پس آپ نے بلالؓ کا انتقام اس طرح نہ لیا کہ تلوار کے ساتھ اس کے دشمنوں کی گردنیں کاٹ دی جائیں بلکہ اس کے بھائی کے ہاتھ میں ایک بڑا جھنڈا دے کر کھڑا کر دیا اور بلالؓ کو اِس غرض کے لیے مقرر کر دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ جو کوئی میرے بھائی کے جھنڈے کے نیچے آکر کھڑا ہوگا اسے امن دیا جائے گا۔ کیسا شاندار یہ انتقام تھا کیسا حسین یہ انتقام تھا۔ جب بلالؓ بلند آواز سے یہ اعلان کرتا ہوگا کہ اے مکہ والو! آؤ میرے بھائی کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو جاؤ تمہیں امن دیا جائے گا تو اس کا دل خود ہی انتقام کے جذبات سے خالی ہوتا جاتا ہوگا۔ اور اس نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جو انتقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے تجویز کیا ہے اس سے زیادہ شاندار اور اس سے زیادہ حسین انتقام میرے لیے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

جب لشکر مکہ کی طرف بڑھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ کسی سڑک کے کونے پر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو لے کر کھڑے ہو جاؤ تا کہ وہ اسلامی لشکر اور اس کی فدائیت کو دیکھ سکیں۔ حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے سامنے سے یکے بعد دیگرے عرب کے وہ قبائل گزرنے شروع ہوئے جن کی امداد پر مکہ بھروسہ کر رہا تھا مگر آج وہ کفر کا جھنڈا نہیں لہرا رہے تھے، آج وہ اسلام کا جھنڈا لہرا رہے تھے۔ اور ان کی زبان پر خدائے قادر کی توحید کا اعلان تھا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے لیے آگے نہیں بڑھ رہے تھے جیسا کہ مکہ والے امید کرتے تھے بلکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے لیے تیار تھے۔ اور ان کی انتہائی خواہش یہی تھی کہ خدائے واحد کی توحید اور اس کی تبلیغ کو دنیا میں قائم کر دیں۔ لشکر کے بعد لشکر گزر رہا تھا کہ اتنے میں اشجع قبیلے کا لشکر گزرا۔ اسلام کی محبت اور اس کیلئے قربان ہونے کا جوش ان کے چہروں سے عیاں اور ان کے نعروں سے ظاہر تھا۔ ابوسفیان نے کہا، عباس! یہ کون ہیں؟ عباسؓ نے کہا یہ اشجع قبیلہ ہے۔ ابوسفیان نے حیرت سے عباسؓ کا منہ دیکھا اور کہا سارے عرب میں اِن سے زیادہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ عباس نے کہا یہ خدا کا فضل ہے جب اس نے چاہا ان کے دلوں میں اسلام کی محبت داخل ہوگئی۔ سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین و انصار کا لشکر لیے ہوئے گزرے۔ یہ لوگ دو ہزار کی تعداد میں تھے اور سر سے پاؤں تک زرہ بکتروں میں چھپے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کی صفوں کو درست کرتے چلے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے قدموں کو سنبھال کر چلو تا کہ صفوں کا فاصلہ ٹھیک رہے۔ ان پرانے فداکارانِ اسلام کا جوش اور ان کا عزم اور ان کا ولولہ ان کے چہروں سے ٹپکا پڑتا تھا۔ ابوسفیان نے ان کو دیکھا تو اس کا دل دہل گیا۔ اس نے پوچھا، عباسؓ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار و مہاجرین کے لشکر میں جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے جواب دیا اس لشکر کا مقابلہ کرنے کی دنیا میں کس کو طاقت ہے۔ پھر وہ حضرت عباسؓ سے مخاطب ہوا اور کہا عباس! تمہارے بھائی کا بیٹا آج دنیا میں سب سے بڑا بادشاہ ہوگیا ہے۔ عباسؓ نے کہا اب بھی تیرے دل کی آنکھیں نہیں کھلیں، یہ بادشاہت نہیں یہ تو نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں ہاں اچھا پھر نبوت ہی سہی۔

(سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 47 مطبوعہ مصر 1936)

جس وقت یہ لشکر ابوسفیان کے سامنے سے گزر رہا تھا انصار کے کمانڈر سعد بن عبادہؓ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا آج خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے مکہ میں داخل ہونا تلوار کے زور سے حلال کر دیا ہے۔ آج قریشی قوم ذلیل کر دی جائے گی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے بلند آواز سے کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کی اجازت دے دی ہے؟ ابھی ابھی انصار کے سردار سعد اور ان کے ساتھی ایسا ایسا کہہ رہے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے یہ کہا ہے کہ آج لڑائی ہوگی اور مکہ کی حرمت آج ہم کو لڑائی سے باز نہیں رکھ سکے گی اور قریش کو ہم ذلیل کر کے چھوڑیں گے۔ یا رسول اللہ! آپ تو دنیا میں سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ رحیم اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے انسان ہیں۔ کیا آج اپنی قوم کے ظلموں کو بھول نہ جائیں گے؟ ابوسفیان کی یہ شکایت والتجا سن کر وہ مہاجرین بھی جن کو مکہ کی گلیوں میں پیٹا اور مارا جاتا تھا، جن کو گھروں اور جائدادوں سے بے دخل کیا جاتا تھا، تڑپ گئے اور ان کے دلوں میں بھی مکہ کے لوگوں کی نسبت رحم پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! انصار نے مکہ والوں کے مظالم کے جو واقعات سنے ہوئے ہیں آج ان کی وجہ سے ہم نہیں جانتے کہ وہ قریش کے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوسفیان سعدؓ نے غلط کہا ہے، آج رحم کا دن ہے۔ آج اللہ تعالیٰ قریش اور خانہ کعبہ کو عزت بخشنے والا ہے۔ پھر آپؐ نے ایک آدمی کو سعدؓ کی طرف بھجوایا اور فرمایا اپنا جھنڈا اپنے بیٹے قیس کو دے دو کہ وہ تمہاری جگہ انصار کے لشکر کا کمانڈر ہوگا۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 95 مطبوعہ مصر 1935)

اس طرح آپ نے مکہ والوں کا دل بھی رکھ لیا اور انصار کے دلوں کو بھی صدمہ پہنچنے سے محفوظ رکھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیسؓ پر پورا اعتبار بھی تھا کیونکہ قیسؓ نہایت ہی شریف طبیعت کے نوجوان تھے۔ ایسے شریف کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ ان کی وفات کے قریب جب بعض لوگ ان کی عیادت کے لیے آئے اور بعض نہ آئے تو انہوں نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ بعض جو میرے واقف ہیں میری عیادت کیلئے نہیں آئے۔ انکے دوستوں نے کہا آپ بڑے مخیر آدمی ہیں آپ ہر شخص کو اس کی تکلیف کے وقت قرضہ دے دیتے ہیں۔ شہر کے بہت سے لوگ آپ کے مقروض ہیں اور وہ اس لیے آپ کی عیادت کیلئے نہیں آئے کہ شاید آپ کو ضرورت ہو اور آپ ان سے روپیہ مانگ بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا اوہو! میرے دوستوں کو بِلا وجہ تکلیف ہوئی میری طرف سے تمام شہر میں منادی کر دو کہ ہر شخص جس پر قیس کا قرضہ ہے وہ اسے معاف ہے۔ اس پر اس قدر لوگ ان کی عیادت کیلئے آئے کہ ان کے مکان کی سیڑھیاں ٹوٹ گئیں۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 95 مطبوعہ مصر 1935)

جب لشکر گزر چکا تو عباس ؓ نے ابوسفیان سے کہا، اب اپنی سواری دَوڑا کر مکہ پہنچو اور ان لوگوں کو اطلاع دے دو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے ہیں اور انہوں نے اس شکل میں مکہ کے لوگوں کو امان دی ہے۔ جبکہ ابوسفیان اپنے دل میں خوش تھا کہ میں نے مکہ کے لوگوں کی نجات کا رستہ نکال لیا ہے۔ اس کی بیوی ہندہ نے جو ابتدائے اسلام سے مسلمانوں سے بغض اور کینہ رکھنے کی لوگوں کو تعلیم دیتی چلی آئی تھی اور باوجود کافر ہونے کے فی الحقیقت ایک بہادر عورت تھی، آگے بڑھ کر اپنے خاوند کی داڑھی پکڑ لی اور مکہ والوں کو آوازیں دینی شروع کیں کہ آؤ اور اس بڈھے احمق کو قتل کر دو کہ بجائے اس کے کہ تم کو یہ نصیحت کرتا کہ جاؤ اور اپنی جانوں اور اپنے شہر کی عزت کے لیے لڑتے ہوئے مارے جاؤ یہ تم میں امن کا اعلان کر رہا ہے۔ ابوسفیان نے اس کی حرکت کو دیکھ کر کہا۔ بے وقوف! یہ ان باتوں کا وقت نہیں جا اور اپنے گھر میں چھپ جا۔ میں اس لشکر کو دیکھ کر آیا ہوں جس لشکر کے مقابلہ کی طاقت سارے عرب میں نہیں ہے۔ پھر ابوسفیان نے بلند آواز سے امان کی شرائط بیان کرنا شروع کیں اور لوگ بے تحاشا ان گھروں اور ان جگہوں کی طرف دَوڑ پڑے، جن کے متعلق امان کا اعلان کیا گیا تھا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 47، مطبوعہ مصر 1936)

صرف گیارہ مرد اور چار عورتیں ایسی تھیں جن کی نسبت شدید ظالمانہ قتل اور فساد ثابت تھے، وہ گویا جنگی مجرم تھے اور ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ قتل کر دیئے جائیں کیونکہ وہ صرف کفر یا لڑائی کے مجرم نہیں بلکہ جنگی مجرم ہیں۔

اِس موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید ؓ کو بڑی سختی سے حکم دے دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص لڑے نہیں تم نے لڑنا نہیں۔ لیکن جس طرف سے خالد ؓ شہر میں داخل ہوئے اُس طرف امن کا اعلان ابھی نہیں پہنچا تھا اُس علاقہ کی فوج نے خالد کا مقابلہ کیا اور 24 آدمی مارے گئے۔ چونکہ خالد ؓ کی طبیعت بڑی جوشیلی تھی کسی نے دَوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دی اور عرض کیا کہ خالد ؓ کو روکا جائے ورنہ وہ سارے مکہ والوں کو قتل کر دے گا۔ آپؐ نے فوراً خالد کو بلوایا اور فرمایا کیا مَیں نے تم کو لڑائی سے منع نہیں کیا تھا؟ خالد ؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے منع تو فرمایا تھا لیکن ان لوگوں نے پہلے ہم پر حملہ کیا اور تیر اندازی شروع کر دی۔ مَیں کچھ دیر تک رُکا اور مَیں نے کہا کہ ہم تم پر حملہ نہیں کرنا چاہتے، تم ایسا مت کرو۔ مگر جب مَیں نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہیں آتے تو پھر میں اُن سے لڑا اور خدا نے اُن کو چاروں طرف پراگندہ کر دیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 97، مطبوعہ مصر 1936)

بہر حال اس خفیف سے واقعہ کے سوا اور کوئی واقعہ نہ ہوا اور مکہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے آپ سے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ اپنے گھر میں ٹھہریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا عقیل نے (یہ آپ کے چچازاد بھائی تھے) ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟ یعنی میری ہجرت کے بعد میرے رشتہ داروں نے میری ساری جائداد بیچ باچ کر کھا لی ہے اب مکہ میں میرے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہم خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے۔ یہ مکہ کا ایک میدان تھا جہاں قریش اور کنانہ قبیلہ نے مل کر قسمیں کھائی تھیں کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر ہمارے حوالہ نہ کر دیں اور ان کا ساتھ نہ چھوڑ دیں ہم ان سے نہ شادی بیاہ کریں گے نہ خرید و فروخت کریں گے۔ اس عہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا ابوطالب اور آپ کی جماعت کے تمام افراد وادی ابوطالب میں پناہ گزین ہوئے تھے اور تین سال کی شدید تکلیفوں کے بعد خدا تعالیٰ نے انہیں نجات دلائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتخاب کیسا لطیف تھا۔ مکہ والوں نے اِسی مقام پر قسمیں کھائی تھیں کہ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سپرد نہ کر دیئے جائیں ہم آپ کے قبیلہ سے صلح نہیں کریں گے۔ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی میدان میں جا کر اُترے اور گویا مکہ والوں سے کہا کہ جہاں تم چاہتے تھے میں وہاں آ گیا ہوں مگر بتاؤ تو سہی کیا تم میں طاقت ہے کہ آج مجھے اپنے ظلموں کا نشانہ بنا سکو! وہی مقام جہاں تم مجھے ذلیل اور مقہور شکل دیکھنا چاہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ میری قوم مجھے پکڑ کر اُس جگہ تمہارے سپرد کر دے وہاں میں ایسی شکل میں آیا ہوں کہ میری قوم ہی نہیں سارا عرب بھی میرے ساتھ ہے اور میری قوم نے مجھے تمہارے سپرد نہیں کیا بلکہ میری قوم نے تمہیں میرے سپرد کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہ دن بھی پیر کا دن تھا۔ وہی دن جس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکل کر صرف ابوبکر ؓ کی معیت میں مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ وہی دن جس میں آپ نے حسرت کے ساتھ ثور کی پہاڑی پر سے مکہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا اَے مکہ! تُو مجھے دنیا کی ساری بستیوں سے زیادہ پیارا ہے لیکن تیرے باشندے مجھے اس جگہ پر رہنے نہیں دیتے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2، صفحہ 31، مطبوعہ مصر 1935)

مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت ابوبکر ؓ آپؐ کی اونٹنی کی رکاب پکڑے ہوئے آپ کے ساتھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے اور سورہ فتح جس میں فتح مکہ کی خبر دی گئی تھی وہ بھی پڑھتے جاتے تھے۔ آپ سیدھے خانہ کعبہ کی طرف آئے اور اونٹنی پر چڑھے چڑھے سات دفعہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اُس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ خانہ کعبہ کے گرد جو حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹے اسماعیلؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے بنایا تھا جسے بعد کو اُن کی گمراہ اولاد نے بتوں کا مخزن بنا کر رکھ دیا تھا، گھومے اور وہ تین سو ساٹھ بت جو اس جگہ پر رکھے ہوئے تھے اُن میں سے ایک ایک بت پر آپ چھڑی مارتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 59، مطبوعہ مصر 1936)

یہ وہ آیت ہے جو ہجرت سے پہلے سورہ بنی اسرائیل میں آپ پر نازل ہوئی تھی اور جس میں ہجرت اور پھر فتح مکہ کی خبر دی گئی تھی۔ یوروپین مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ہجرت سے پہلے کی سورۃ ہے اس سورۃ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ یعنی تُو کہہ دے میرے ربّ! مجھے اس شہر یعنی مکہ میں نیک طور پر داخل کیجیو یعنی ہجرت کے بعد فتح اور غلبہ دیکر اور اس شہر سے خیریت سے ہی نکالیو یعنی ہجرت کے وقت۔ اور خود اپنے پاس سے مجھے غلبہ اور مدد کے سامان بھجوائیو۔ اور یہ بھی کہو کہ حق آ گیا ہے اور باطل یعنی شرک شکست کھا کے بھاگ گیا ہے اور باطل یعنی شرک کے لئے شکست کھا کر بھاگنا تو ہمیشہ کے لئے مقدر تھا۔ اس پیشگوئی کے لفظاً لفظاً پورا ہونے اور حضرت ابوبکر ؓ کے اس کو تلاوت کرتے وقت مسلمانوں اور کفار کے دلوں میں جو جذبات پیدا ہوئے ہوں گے وہ لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتے۔ غرض اُس دن ابراہیمؑ کا مقام پھر خدائے واحد کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور بت ہمیشہ کے لئے توڑے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبل نامی بت کے اُوپر اپنی چھڑی ماری اور وہ اپنے مقام سے گر کر ٹوٹ گیا تو حضرت زبیر ؓ نے ابوسفیان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا ابوسفیان! یاد ہے اُحد کے دن جب مسلمان زخموں سے چور ایک طرف کھڑے ہوئے تھے تم نے اپنے غرور میں یہ اعلان کیا تھا اُعْلُ هُبُل اُعْلُ هُبُل۔ ہبل کی شان بلند ہو، ہبل کی شان بلند ہو۔ اور یہ کہ ہبل نے ہی تم کو اُحد کے دن مسلمانوں پر فتح دی تھی۔ آج دیکھتے ہو وہ سامنے ہبل کے ٹکڑے پڑے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا زبیر ؓ! یہ باتیں جانے بھی دو۔ آج ہم کو اچھی طرح نظر آ رہا ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کے سوا کوئی اور خدا بھی ہوتا تو آج جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس طرح کبھی نہ ہوتا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 99، مطبوعہ مصر 1935)

پھر آپ نے خانہ کعبہ کے اندر جو تصویریں حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کی بنی ہوئی تھیں ان کے مٹانے کا حکم دیا اور خانہ کعبہ میں خدا تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کے شکریہ میں دو رکعت نماز پڑھی پھر باہر تشریف لائے اور باہر آ کر بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ خانہ کعبہ کی تصویروں کو مٹانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر ؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ہم بھی نبی مانتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی تصویر کو نہ مٹایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُس تصویر کو قائم دیکھا تو فرمایا عمر! تم نے یہ کیا کیا؟ کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 100 مطبوعہ مصر 1935) یعنی ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا کامل فرمانبردار اور خدا تعالیٰ کی ساری صداقتوں کو ماننے والا اور خدا کا موحد بندہ تھا۔ چنانچہ آپ کے حکم سے یہ تصویر بھی مٹا دی گئی۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دیکھ کر مسلمانوں کے دل اُس دن ایمان سے اتنے پُر ہو رہے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر ان کا یقین اس طرح بڑھ رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زمزم کے چشمہ سے (جو اسماعیل بن ابراہیم کے لئے خدا تعالیٰ نے بطور نشان پھاڑا تھا) پانی پینے کے

لئے منگوایا اور اُس میں سے کچھ پانی پی کے باقی پانی سے آپ نے وضو فرمایا تو آپ کے جسم میں سے کوئی قطرہ زمین پر نہیں گر سکا۔ مسلمان فوراً اُس کو اُچک لے جاتے اور تبرک کے طور پر اپنے جسم پر مل لیتے تھے اور مشرک کہہ رہے تھے ہم نے کوئی بادشاہ دنیا میں ایسا نہیں دیکھا جس کے ساتھ اس کے لوگوں کو اتنی محبت ہو۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 101، مطبوعہ مصر 1935)

جب آپ ان باتوں سے فارغ ہوئے اور مکہ والے آپ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو آپ نے فرمایا اَے مکہ کے لوگو! تم نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے نشانات کس طرح لفظ بلفظ پورے ہوئے ہیں اب بتاؤ کہ تمہارے ان ظلموں اور ان شرارتوں کا کیا بدلہ دیا جائے جو تم نے خدائے واحد کی عبادت کرنے والے غریب بندوں پر کئے تھے؟ مکہ کے لوگوں نے کہا ہم آپ سے اُسی سلوک کی اُمید رکھتے ہیں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ یہ خدا کی قدرت تھی کہ مکہ والوں کے منہ سے وہی الفاظ نکلے جن کی پیشگوئی خدا تعالیٰ نے سورہ یوسف میں پہلے سے کر رکھی تھی اور فتح مکہ سے دس سال پہلے بتا دیا تھا کہ تو مکہ والوں سے ویسا ہی سلوک کرے گا جیسا یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ پس جب مکہ والوں کے منہ سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوسفؑ کے مثیل تھے اور یوسفؑ کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے بھائیوں پر فتح دی تھی تو آپ نے بھی اعلان فرمادیا کہ تَاللّٰہِ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ خدا کی قسم! آج تمہیں کسی قسم کا عذاب نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی کسی قسم کی سرزنش کی جائے گی۔

(السیر ۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 89، مطبوعہ مصر 1935)

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیارتِ کعبہ کی متعلقہ عبادتوں میں مصروف تھے اور اپنی قوم کے ساتھ بخشش اور رحمت کا معاملہ کر رہے تھے تو انصار کے دل اندر ہی اندر بیٹھے جا رہے تھے اور وہ ایک دوسرے سے اشاروں میں کہہ رہے تھے شاید آج ہم خدا کے رسول کو اپنے سے جدا کر رہے ہیں کیونکہ انکا شہر خدا تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح کر دیا ہے اور ان کا قبیلہ ان پر ایمان لے آیا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے انصار کے ان شبہات کی خبر دے دی آپ نے سر اُٹھایا، انصار کی طرف دیکھا اور فرمایا اَے انصار! تم سمجھتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر کی محبت ستاتی ہوگی اور اپنی قوم کی محبت اس کے دل میں گدگدیاں لیتی ہوگی۔ انصار نے کہا یا رسول اللہ! یہ درست ہے ہمارے دل میں ایسا خیال گزرا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں پتا ہے میرا نام کیا ہے؟ مطلب یہ کہ مَیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہلاتا ہوں پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ تم لوگوں کو جنہوں نے دین اسلام کی کمزوری کے وقت میں اپنی جانیں قربان کیں چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ پھر فرمایا اَے انصار! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے خدا کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا تھا اور اس کے بعد اب میں اپنے وطن میں واپس نہیں آ سکتا۔ میری زندگی تمہاری زندگی سے ہے اور میری موت تمہاری موت سے وابستہ ہے۔ مدینہ کے لوگ آپ کی یہ باتیں سن کر اور آپ کی محبت اور آپ کی وفا کو دیکھ کر روتے ہوئے آگے بڑھے اور کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہم نے خدا اور اس کے رسول پر بدظنی کی۔ بات یہ ہے کہ ہمارے دل اس خیال کو برداشت نہیں کر سکتے کہ خدا کا رسول ہمیں اور ہمارے شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول تم لوگوں کو بری سمجھتے ہیں اور تمہارے اخلاص کی تصدیق کرتے ہیں۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ کے لوگوں میں یہ پیار اور محبت کی باتیں ہو رہی ہونگی اگر مکہ کے لوگوں کی آنکھوں نے آنسو نہیں بہائے ہوں گے تو ان کے دل یقیناً آنسو بہا رہے ہوں گے کہ وہ قیمتی ہیرا جس سے بڑھ کر کوئی قیمتی چیز اس دنیا میں پیدا نہیں ہوئی خدا نے اُن کو دیا تھا مگر اُنہوں نے اس کو اپنے گھروں سے نکال کر پھینک دیا اور اب کے وہ خدا کے فضل اور اس کی مدد کے ساتھ دوبارہ مکہ میں آیا تھا وہ اپنے وفائے عہد کی وجہ سے اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے مکہ کو چھوڑ کر مدینہ واپس جا رہا ہے۔

جن لوگوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ ان کے بعض ظالمانہ قتلوں اور ظلموں کی وجہ سے ان کو قتل کیا جائے ان میں سے اکثر کو مسلمانوں کی سفارش پر آپ نے چھوڑ دیا۔ انہی لوگوں میں سے ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ عکرمہ کی بیوی دل سے مسلمان تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! عکرمہ کو بھی آپ معاف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں! ہم اُسے معاف کرتے ہیں۔ عکرمہ بھاگ کر یمن کی طرف جا رہے تھے کہ بیوی اپنے خاوند کی محبت میں پیچھے پیچھے اُس کی تلاش میں گئی۔ جب وہ ساحلِ سمندر پر کشتی میں بیٹھے ہوئے عرب کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے پر تیار تھے کہ پراگندہ سر اور پریشان حال بیوی گھبرائی ہوئی پہنچی اور کہا اَے میرے چچا کے بیٹے! (عرب عورتیں اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) اتنے شریف اور اتنے رحمدل انسان کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ عکرمہ نے حیرت سے اپنی بیوی سے پوچھا کیا میری اُن ساری دشمنیوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر دیں گے؟ عکرمہ کی بیوی نے کہا ہاں ہاں! مَیں نے اُن سے عہد لے لیا ہے اور انہوں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے میرے جیسے انسان کو بھی معاف کر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے ہم نے تم کو معاف کر دیا ہے۔ عکرمہ نے کہا جو شخص اتنے شدید دشمنوں کو معاف کر سکتا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم اسکے بندے اور اسکے رسول ہو اور پھر شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حیا کی حالت کو دیکھ کر اسکے دل کی تسلی کے لئے فرمایا۔ عکرمہ! ہم نے تمہیں صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس سے زائد یہ بات بھی ہے کہ اگر آج کوئی ایسی چیز مجھ سے مانگو جسکے دینے کی مجھ میں طاقت ہو تو مَیں وہ بھی تمہیں دے دوں گا۔ عکرمہ نے کہا یا رسول اللہ! اور اس سے زیادہ میری خواہش کیا ہوسکتی ہے کہ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ مَیں نے جو آپ کی دشمنیاں کی ہیں وہ مجھے معاف کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا اَے میرے اللہ! وہ تمام دشمنیاں جو عکرمہ نے مجھ سے کی ہیں اسے معاف کر دے اور وہ تمام گالیاں جو اسکے منہ سے نکلی ہیں وہ اسے بخش دے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور اپنی چادر اُتار کر اسکے اُوپر ڈال دی اور فرمایا جو اللہ پر ایمان لاتے ہوئے ہمارے پاس آتا ہے ہمارا گھر اُس کا گھر ہے اور ہماری جگہ اس کی جگہ ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 106، مطبوعہ مصر 1936)

عکرمہ کے ایمان لانے سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو سالہا سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے بیان فرمائی تھی کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میں جنت میں ہوں، وہاں مَیں نے انگور کا ایک خوشہ دیکھا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کیلئے ہے؟ تو کسی جواب دینے والے نے کہا ابوجہل کیلئے۔ یہ بات مجھے عجیب معلوم ہوئی اور مَیں نے کہا جنت میں تو سوائے مومن کے اور کوئی داخل نہیں ہوتا پھر جنت میں ابوجہل کیلئے انگور کیسے مہیا کئے گئے ہیں؟ جب عکرمہ ایمان لایا تو آپنے فرمایا وہ خوشہ عکرمہ کا تھا خدا نے بیٹے کی جگہ باپ کا نام ظاہر کیا جیسا کہ خوابوں میں اکثر ہوجایا کرتا ہے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 106، مطبوعہ مصر 1936)

وہ لوگ جن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا اُن میں وہ شخص بھی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ کی ہلاکت کا موجب ہوا تھا۔ اس شخص کا نام ہبار تھا۔ اس نے حضرت زینبؓ کے اُونٹ کا تنگ کاٹ دیا تھا اور حضرت زینبؓ اُونٹ سے نیچے جا پڑی تھیں جسکی وجہ سے اُنکا حمل ضائع ہوگیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہوگئیں۔ علاوہ اَور جرائم کے یہ جرم بھی اس کو قتل کا مستحق بناتا تھا۔ یہ شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا اَے اللہ کے نبی! مَیں آپ سے بھاگ کر ایران کی طرف چلا گیا تھا پھر مَیں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ سے ہمارے شرک کے خیالات کو دُور کیا ہے اور ہمیں روحانی ہلاکت سے بچایا ہے مَیں غیر لوگوں میں جانے کی بجائے کیوں نہ اسکے پاس جاؤں اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی مانگوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا ہبار! جب خدا نے تمہارے دل میں اسلام کی محبت کر دی ہے تو مَیں تمہارے گناہوں کو کیوں نہ معاف کروں، جاؤ مَیں نے تمہیں معاف کیا! اسلام نے تمہارے سب پہلے قصور مٹا دیئے ہیں۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3، صفحہ 106، مطبوعہ مصر 1935)

اس جگہ اتنی گنجائش نہیں کہ مَیں اس مضمون کو لمبا کروں ورنہ ان خطرناک مجرموں میں سے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی معذرت پر معاف فرمادیا اکثر کے واقعات ایسے دردناک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کو اتنا ظاہر کرنے والے ہیں کہ ایک سنگدل انسان بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(کتاب نبیوں کا سردار صفحہ 205 تا 224)

......☆......☆......☆......

تقریر جلسہ سالانہ قادیان دسمبر 2017ء

سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم — دعوۃ الی اللہ کی روشنی میں

((محمد انعام غوری، ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان))

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا ۝ (الاحزاب:46 تا 47)

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ۝

(المائدہ:68)

ترجمہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً ہم نے تجھے ایک شاہد اور ایک مبشر اور ایک نذیر کے طور پر اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بُلانے والے اور ایک منوّر کر دینے والے سورج کے طور پر بھیجا ہے۔

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! تیرے ربّ کی طرف سے جو (کلام بھی) تجھ پر اُتارا گیا ہے اُسے (لوگوں تک پہنچا) اگر تُو نے (ایسا) نہ کیا تو (گویا) تُو نے اُس کا پیغام (بالکل) نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تجھے لوگوں (کے حملوں) سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ کافر لوگوں کو ہرگز (کامیابی کی) راہ نہیں دکھائے گا۔

آج سے چودہ سو سال قبل دُنیا میں چاروں طرف ضلالت وگمراہی پھیلی ہوئی تھی قرآن کریم نے اس کا نقشہ ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ کے الفاظ میں کھینچا ہے۔ یعنی اہل کتاب بھی اور غیر اہل کتاب بھی دونوں میں فساد رونما ہو چکا تھا۔ بالخصوص جزیرۃ العرب، انفرادی اور اجتماعی طور پر اخلاقی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی، سخت اندھیری رات کے دور سے گزر رہا تھا جسمیں اچھے اور بُرے اور سیاہ وسفید کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ خانۂ کعبہ جو ابتدائے آفرینش سے خدائے واحد کی عبادت کا گھر بنایا گیا تھا اُسمیں روزانہ ایک الگ بُت کی پوجا کرنے کے لحاظ سے 360 بُت رکھے ہوئے تھے۔ جھگڑا وفساد قتل وغارت گری، بے حیائی وبداعمالی، شراب خوری وزنا کاری روزانہ کا معمول تھا اور قوم عرب جو چند قبائل کے مجموعہ کا نام تھا کبھی کسی حکومت اور قانون کی پابند اور مطیع وفرمانبردار نہ رہی تھی۔

اس تاریک دور میں ایک دردمند دل تھا جو اپنی قوم کی بُرائیوں اور گمراہیوں کو دیکھ کر مضطرب تھا، ایک روح تھی جو آسمانی روشنی کیلئے تڑپتی تھی، ایک پچیس تیس سالہ نوجوان تھا جس نے اس کرب میں مبتلا ہو کر سکون کی تلاش میں مکہ سے تین میل دور جبل الحراء کے دامن میں ایک غار کو اپنے ربّ سے راز ونیاز کیلئے ٹھکانہ بنا رکھا تھا اور مسلسل پندرہ سال تک کئی کئی دن وہاں قیام کر کے تنہائی میں شب وروز دُعائیں کرتا رہا۔ یہ تھے ہمارے آقا ومطاع محسن انسانیت رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعائیں قبول فرمائیں اور روح القدس حضرت جبرائیل امین کو اپنے روح پرور بصیرت افروز کلام پاک کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا۔ آپ کے عاشق صادق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

نُور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے
قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار

اِس آسمانی نور سے ظلمت کدوں کو منوّر کرنے اور ضلالت کے گڑھوں میں پڑی ہوئی انسانیت کو اُٹھا کر روشنی کے مینار پر چڑھانے کیلئے آپ کو حکم ہوا بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اب قرآن کریم کی ہر نازل ہونے والی آیت کو لوگوں کو سُنانا ہے، لکھوانا ہے، یاد کروانا ہے اور پھر ہر قرآنی حکم پر عمل کر کے دکھانا ہے۔ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ اگر آپ یہ مقدس فریضہ ادا نہ کر سکے تو گویا رسالت کا حق ادا نہ کر سکے۔ یہ کوئی معمولی بوجھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک اور مقام پر فرماتا ہے کہ اس شریعت کاملہ کے بوجھ کو اُٹھانے کیلئے ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کو آمادہ کیا فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا ان سب نے انکار کر دیا اور اس امانت کے بوجھ کو اُٹھانے سے ڈر گئے۔ ہاں حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ایک انسانِ کامل نے اس امانت کو اپنے سر پر اُٹھا لیا کیونکہ وہ ظَلُوۡمًا اور جَهُوۡلًا کی صفت سے متصف تھا وہ ہر چہ بادا باد کہہ کر اس راہ میں حائل ہونے والی ہر مشقت کو اپنے اُوپر حاوی کر لینے والا اور اس مشقت اور تکالیف کو اللہ کی خاطر بھول جانے کی صلاحیت رکھنے والا تھا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی، دعوۃ الی اللہ کا یہ سارا کٹھن سفر جو کوہ صفا پر قریش کے قبائل کو پیغام الٰہی کے پہنچانے سے شروع ہوا تھا، حجۃ الوداع میں عرفات کے میدان میں آخری خطبہ سُنانے تک جاری رہا۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال اور مدینہ منوّرہ کے دس سال، 23 سال کے عرصہ کا ایک ایک دن گواہ ہے کہ ہاں اے اللہ کے حبیب! آپ نے دعوۃ الی اللہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

اب چند واقعات اِس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ سے پیش کرتا ہوں۔ آپ کی تبلیغ اور دعوۃ الی اللہ کا طریق قرآنی حکم اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِکۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ کا بہترین عملی نمونہ تھا۔

حضرت عمرو بن عنبسہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں مکّہ آیا۔ اُس وقت رسول اللہؐ نے ابھی رسالت کا اعلانِ عام نہیں فرمایا تھا۔ لیکن میں نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں نبی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ نبی کیا ہوتا ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے آپؐ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کیا تعلیم دے کر بھیجا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کی جائے۔ بُتوں کو چھوڑا جائے اور رحمی رشتہ داروں کے حق ادا کئے جائیں۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھی تعلیم ہے۔ اِسے کتنے لوگوں نے قبول کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایک آزاد اور ایک غلام (یعنی ابوبکر اور زیدؓ) عمرو نے اسلام قبول کر لیا۔ کہتے تھے کہ پھر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا میں یہاں رہ کر آپ کی پیروی کروں؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں تم اپنی قوم میں جا کر اس تعلیم پر عمل کرو۔ البتہ جب تمہیں میرے خروج (یعنی ہجرت) کا پتا چلے پھر آ کر میری پیروی کرنا۔"

(بیہقی، جلد نمبر 2، صفحہ 39)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ابتدائی زمانہ کی تبلیغ میں تدریج کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے آغاز میں صرف اقرارِ توحید ورسالت کروایا گیا اور بنی نوع انسان کے حقوق میں بھی پہلے صلہ رحمی کی طرف توجہ دلائی گئی۔ پھر جوں جوں احکامِ الٰہی اُترتے گئے تدریجاً اُن کی طرف دعوت دی جاتی رہی۔

اِس طرح ابتداء میں انفرادی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور وہ بھی علانیہ طور پر نہیں بلکہ پوشیدہ طور پر۔ حضرت ابوبکرؓ جو ابتداء ہی میں ایمان لے آئے تھے انہوں نے بھی قوم کے قابلِ اعتماد افراد تک پیغامِ حق پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا اور یوں چراغ سے چراغ روشن ہونے لگے۔

دعویٔ نبوّت کے تین سال کے بعد آپ کو اللہ نے حکم فرمایا فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (الحجر:95) کہ جو حکم آپ کو دیا جاتا ہے اُسے کھول کر سُنا دیں اور مشرکوں سے اعراض کریں اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہوا کہ اس کھلی دعوۃ الی اللہ کا آغاز اپنے رشتہ داروں سے کیا جائے وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (شعراء:215) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہوشیار کر۔

چنانچہ اسکے لئے آپ نے یہ تدبیر فرمائی کہ علی الصبح کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے قبائل کو نام بنام آواز دے کر بُلایا کہ اے عبد المطلب کی اولاد! اے عبدِ مناف کی اولاد! اے قصی کی اولاد! وغیرہ (عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کسی مصیبت پر مدد کیلئے لوگوں کو اکٹھا کرنا ہوتو اس طرح کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر منادی کی جاتی تھی) بہر حال جب مختلف قبائل کے لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی منادی سُنی تو کوہِ صفا کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

"میں ایک ہوشیار کرنے والا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال اُس شخص کی طرح ہے جس نے ایک حملہ آور دُشمن کو دیکھا ہو اور اپنے خاندان کو ہوشیار کرنے گیا ہو مگر اُسے یہ خدشہ بھی ہو کہ وہ اُسکی بات نہیں مانیں گے۔ اور وہ چلّا چلّا کر سب کو مدد کیلئے پُکارنا شروع کرے۔"

اور پھر فرمایا اگر میں تمہیں کہوں کہ اس

پہاڑی کے دامن میں ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا میری تصدیق کروگے؟ اُنہوں نے یک زبان ہوکر کہا کیوں نہیں؟ ہمیں آج تک آپ سے کبھی جُھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچّا پایا ہے۔'' تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مَیں تمہیں اللہ کی طرف بُلاتا ہوں اور اُس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔''

اس پیغام کے سُنتے ہی ابولہب نے یہ کہتے ہوئے کہ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا اے محمد! نعوذ باللہ ہلاکت ہو تجھ پر کیا اسلئے ہمیں جمع کیا تھا، اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس پر دیگر لوگ بھی منتشر ہوگئے۔

(بخاری، کتاب التفسیر سورۃ الشعراء، باب 258)

✿ پھر اپنے رشتہ داروں کو تبلیغ کیلئے آنحضرت ﷺ نے ایک یہ پُرحکمت تجویز فرمائی کہ ایک دعوتِ طعام کا انتظام کرکے رشتہ داروں کو مدعو کیا جائے اور اس موقع پر الٰہی پیغام پہنچایا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حسبِ ارشاد بکری کے پائے کا شوربہ اور روٹی تیار کرواکے خاندان بنی مطّلب کے کم وبیش چالیس افراد کو بُلایا جن میں آنحضور ﷺ کے تمام چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ کھانے پینے سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ جب بات شروع کرنے لگے تو آپ کے چچا ابولہب نے شور ڈال دیا کہ تم پر تو کسی نے جادو کردیا ہے۔ اِس پر سب لوگ منتشر ہوگئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ارشاد فرمایا کہ دوبارہ دعوت کا انتظام کرو چنانچہ دوبارہ دعوت کا انتظام کرکے ان رشتہ داروں کو مدعو کیا گیا اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا کہ:

''اے عبدالمطلب کی اولاد! خُدا کی قسم کوئی عرب نوجوان اپنی قوم کیلئے اِس سے اعلیٰ اور شاندار پیغام نہیں لایا جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ مَیں تمہارے پاس دُنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ مجھے ربّ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اُسکی طرف بُلاؤں۔ پس تم میں سے کون اِس معاملہ میں میرا مددگار ہوگا۔ سب خاموش رہے۔ لیکن ایک کم سِن نوجوان حضرت علیؓ اُٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! مَیں حاضر ہوں۔ مگر باقی لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔

(تفسیر طبری، سورۃ الشعراء زیر آیت وانذر عشیرتك الاقربین، جلد9، صفحہ 481، مطبوعہ بیروت)

✿ بہرحال اب تک اسی طرح انفرادی طور پر اور زیادہ سے زیادہ خاندان کے لوگوں کو اکٹھا کرکے پیغام پہنچانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ مگر اب ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی مرکزی ٹھکانہ ہو جہاں نَومسلم اکٹھے ہوں اور ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوں۔ چنانچہ حضرت ارقم بن ارقمؓ جنہوں نے گیارہویں نمبر پر اسلام قبول کیا تھا، اِن کا مکان کوہِ صفا کے دامن میں تھا انہوں نے یہ مکان پیش کردیا جسے مسلمانوں کا پہلا دارالتبلیغ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی مکان میں حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ آپؓ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ اُن کی بہن اور بہنوئی بھی ایمان لاچکے ہیں۔ آپ اسی حالت میں اُن کے گھر گئے وہاں قرآن کریم کی سورہ طٰہٰ کی چند آیات سُن کر ایسا دل پگھلا کہ وہاں سے نکل کر سیدھا دارِ ارقم میں پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوگئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ ایک نہایت جری اور صاحبِ اثر شخص تھے ان کے مسلمان ہوجانے سے مسلمانوں نے بے ساختہ نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھر اسکے بعد کھلے عام تبلیغ شروع کردی۔ (السیرۃ النّبویۃ لابن ہشام، جلد 1، صفحہ 343 مطبوعہ بیروت)

اب علی الاعلان تبلیغ کے نتیجہ میں ایک ایک دودو کرکے چند آزاد اور غلام مسلمان ہونے لگے اور ایک جماعت اکٹھی ہونی شروع ہوگئی تو قریشِ مکّہ کو اپنی سرداری خطرے میں نظر آنے لگی۔ چنانچہ ایک دن ابوجہل نے سردارانِ قریش کی مجلس میں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ کچھ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ چنانچہ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کی منظّم رنگ میں مخالفت شروع کردی صرف زبانی مخالفت ہی نہیں بلکہ اِیذاءرسانیاں شروع کردیں۔ جوتو غلام تھے اُن پر اُن کے آقاؤں نے مظالم کی حد کردی اور جو آزاد تھے اور قوم میں معزز سمجھے جاتے تھے اُن کو بھی طرح طرح کے آزار پہنچائے جانے لگے۔ آنحضرت ﷺ تو ان کی مخالفتوں کے پہلے نشانہ تھے۔ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھ رہے ہیں تو گند سے بھری اُونٹ کی اوجھڑی منگوا کر آپ کی پشتِ مبارک پر رکھ کر قہقہے مارنے لگے۔ کبھی چادر سے گلا گھونٹ کر مارنے کی کوشش کی گئی۔ کئی مرتبہ زہر دے کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ راہ چلتے آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکنا اور زبانی طعن وتشنیع سے دل دُکھاتے رہنا تو روز کا معمول تھا۔

بہرحال تیرہ سالہ مکّی دور میں کفّارِ مکہ کی مخالفتوں، اِیذاءرسانیوں اور بہیمانہ مظالم کی طویل داستان ہے جس کے سُنانے کا یہ موقع نہیں۔ لیکن یہاں بتانا ضروری ہے کہ آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے اگرچہ آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن اپنے بھتیجے کی نیکی اور پارسائی اور دعوۃ الی اللہ کے پُرخلوص جوش سے متاثّر ضرور تھے اسلئے ان کی پُشت پناہی بہرحال آپ کو حاصل تھی جو قریشِ مکّہ کو آنحضرت ﷺ کے خلاف انتہائی اِقدامات کرنے سے باز رکھتی تھی بالآخر انہوں نے حضرت ابوطالب کو آنحضرت ﷺ کی پُشت پناہی سے دست بردار ہونے کیلئے واشگاف الفاظ میں متنبّہ کرنے کا تہیّہ کرلیا۔ چنانچہ روسائے قریش کے ایک وفد نے ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

''اب معاملہ حد کو پہنچ گیا ہے اور ہم کو رِجس اور پلید اور شرّ البریّہ اور سفہاء اور شیطان کی ذرّیت کہا جاتا ہے اور ہمارے معبودوں کو جہنّم کا ایندھن قرار دیا جاتا ہے اور ہمارے بُزرگوں کو لایعقل کہہ کر پُکارا جاتا ہے اسلئے اب ہم صبر نہیں کرسکتے اور اگر تم اسکی حمایت سے دستبردار نہیں ہوسکتے، تو پھر ہم بھی مجبور ہیں......''

''ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بُلا کر کہا: اے میرے بھتیجے! اب تیری دُشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تُو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بُزرگوں کو شرّ البریّہ کہا اور ان کے قابلِ تعظیم معبودوں کا نام ہیزمِ جہنم اور وَقود النّار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذرّیتِ شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دُشنام دہی سے باز آجا۔ ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا: اے چچا! یہ دُشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہارِ واقعہ ہے اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کیلئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا۔ اور اے چچا! اگر تجھے اپنی کمزوری اور تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہوجا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں۔ مجھے میرے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رُکوں گا۔ بخُدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہوکر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذّت ہے کہ اُس کی راہ میں دُکھ اُٹھاؤں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقّت نُمایاں ہورہی تھی اور جب آنحضرت ﷺ یہ تقریر ختم کرچکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابوطالب کے آنسو جاری ہوگئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تُو اَور ہی رنگ میں اور اَور ہی شان میں ہے۔ جا! اپنے کام میں لگا رہ جب تک میں زندہ ہوں اور جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔''

آنحضور ﷺ عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ازالہ اوہام حصہ اول کے صفحہ 10 وصفحہ 11 میں یہ واقعہ اور عبارت درج کرکے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ سب مضمون ابوطالب کے قصہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام عبارت الہامی ہے جو خدا تعالیٰ نے اِس عاجز کے دل پر نازل کی صرف کوئی کوئی فقرہ تشریح کیلئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔'' سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

بہرحال جب سردارانِ قریش کی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ خواہ وہ آزاد تھے یا غلام، کفّارِ مکّہ کے مظالم کا مزید نشانہ بنتے چلے گئے حتّٰی کہ آپ نے بعض صحابہ کی کسمپرسی کے حالات دیکھ کر انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی مگر خود ان کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے۔ حتّٰی کہ ان ظالموں نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ جیسے بڑے بڑے لوگ بھی مسلمان ہورہے ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جارہا ہے تو قریش کے

سرداروں نے باہم مشورہ کرکے فیصلہ کیا کہ آنحضرت ﷺ اور تمام افراد بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ ہر قسم کے تعلّقات منقطع کرلئے جائیں اور اس طرح مکمل بائیکاٹ کا عہدنامہ تیار کرکے تمام بڑے بڑے روساء کے اس پر دستخط کرواکے کعبہ کی دیوار کے ساتھ آویزاں کردیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں قریش ہی کے دو بڑے قبیلے بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں جو ایک پہاڑی درّہ کی صورت میں تھا محصور ہوگئے اور تین سال تک اس سوشل بائیکاٹ کی سختیوں کو برداشت کرتے رہے۔ بالآخر سنہ 10 نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رویاء کے مطابق جب انہوں نے دیکھا کہ اس معاہدہ کی تحریر میں سے سوائے خُدا کے نام کے ساری عبارت کو دیمک نے ختم کردیا ہے تو پھر بعض شرفاء کی تحریک پر اس بائیکاٹ کو ختم کیا گیا۔ (السیرۃ النّبویۃ لابن ہشام، جلد 1، صفحہ 350)

اس تین سالہ بائیکاٹ اور تکالیف سے نکلنے کے معاً بعد سنہ 11 نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اور پھر چند دن بعد آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ یکے بعد دیگرے وفات پاگئے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف میں مزید اضافہ ہوگیا۔ لیکن آپ کو ان تکالیف اور مصائب کی پرواہ نہ تھی اگر فکر تھی تو صرف دعوۃ الی اللہ کی اور وہ دن آپ کیلئے زیادہ بوجھل ہوتا جس دن کہ کوئی بات سُننے والا نہ ملتا۔ چنانچہ الٰہی پیغام سُنانے کیلئے آپ نے ایک طریقہ یہ اپنایا کہ مکّہ کے نواح میں عکاظ، ذوالمجاز اور مجنّہ کے مقام پر میلے لگا کرتے تھے آپ ان میلوں میں جا پہنچتے اور جو بھی ملتا اُسے اللہ کا پیغام پہنچاتے۔

ربیعہ بن عباد بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالمجاز کے میلے میں دیکھا۔ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بُلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو نجات پاجاؤ گے۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اُسکی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور مَیں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ جہاں آپ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے میں کوشاں ہیں وہیں پیچھے پیچھے ابولہب اور ابوجہل بھی آوازیں کستے اور خاک اُڑاتے جاتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہوئے کہتے یہ جھوٹا ہے اسکی بات کبھی نہ ماننا کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے بہکا نہ دے۔

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوۃ الی اللہ کے ذکر میں سفرِ طائف کا واقعہ تو ناقابلِ فراموش ہے۔ آپؐ مکّہ سے چالیس میل دُور طائف کی بستی میں اپنے ایک آزاد کردہ غلام زیدؓ کے ہمراہ تشریف لے گئے جہاں دیگر امراء کے علاوہ قبیلہ ثقیف کے تین سردار بھی تھے جن سے رسول اللہ ﷺ کا ننھیالی رشتہ بھی تھا۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوۃِ اسلام دی اور قریشِ مکّہ کی مخالفت کا ذکر کرکے ان سے مدد چاہی۔ یہ سُن کر ان میں سے ایک سردار کہنے لگا "اگر تجھے خُدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا پردہ چاک کررہا ہے" دوسرا بولا "کیا تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی رسول نہیں مِلا تھا جسے وہ مبعوث کرتا۔" تیسرے نے کہا "خُدا کی قسم! میں تو تم سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں ہوں......" (ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 419) اور کہا کہ اس بستی سے فوراً نکل جاؤ اور صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ بعض غلاموں اور آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو گالیاں دینے اور آوازیں کسنے لگے اتنے میں ایک بڑا ہجوم اکٹھا ہوگیا جو آپ کے راستہ میں دونوں طرف کھڑے ہوکر پتھر برسانے لگے۔ حضرت زید، رسول اللہ کے آگے ڈھال بن کر پتھروں سے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے مگر وہ تنہا کیسے بچا سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیاں لہولہان اور جوتے خون سے بھر گئے اور حضرت زید کو بھی شدید زخم آئے اور یہ ہجوم تب واپس لوٹا جب آپ نے عتبہ اور شیبہ سرداران مکّہ کے انگوروں کے باغ میں پناہ لی۔

الغرض طائف کا دن ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ پر انتہائی سخت دن تھا حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ نبی کریمؐ سے پوچھا کہ اُحد کے دن سے زیادہ کوئی سخت دن بھی آپ پر آیا ہے (اُحد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے اور چہرے پر بھی زخم آئے تھے) آپ نے فرمایا "عائشہ! میں نے تمہاری قوم سے بہت تکالیف اُٹھائیں مگر سب سے شدید تکلیف وہ تھی جو سفرِ طائف میں اُٹھائی۔ اُس وقت میں سخت مغموم ہونے کی حالت میں سر جُھکائے چلا جاتا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل نے مجھے سایہ میں لے رکھا ہے۔ تب پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے ندا دی اور مجھے سلام کرکے کہا میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں مجھے آپ کے ربّ نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ جو حکم دیں اُسے میں بجالاؤں۔ اے محمد (ﷺ)! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس وادی کے یہ دونوں پہاڑ ان پر گرادوں۔ نبی رحمتؐ نے فرمایا۔ نہیں نہیں، ایسا نہ کرو! مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"

(بخاری، بدءالخلق، باب 7)

سامعین کرام! آنحضرت ﷺ کے دل میں دعوت الی اللہ کا جو جوش تھا اور کفّارِ مکہ کے ایمان نہ لانے کا جو افسوس اور صدمہ تھا اُسکی کیفیت سے تو بجز خدائے عالم الغیب کے اور کوئی واقف نہ تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس قلبی کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء: 4) یعنی اے محمد! ﷺ کیا تُو اپنی جان کو اسلئے ہلاک کردے گا کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔

آنحضرت ﷺ کی سفرِ طائف میں دعوت الی اللہ کی راہ میں برداشت کی گئی تکالیف اور ظالموں کی نسلوں کے ایمان لانے کی اُمید پر اُن سے کئے گئے درگُذر کا ثمرہ بارہ سال بعد جاکر نکلتا ہے۔ چنانچہ سنہ 9 ہجری میں جب آپ جنگ تبوک سے واپس آئے تو طائف کا ایک سردار نمائندہ کے طور پر آیا اور سب کی طرف سے اسلام لے آیا۔

بہرحال فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کا حکم نازل ہونے کے بعد مکّی زندگی کے دس سال کا ایک ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوۃ الی اللہ کی مہم میں صرف ہوتا رہا۔ لیکن مکہ کی سنگلاخ زمین میں جہاں چند جاں نثار آزاد اور غلام ساتھی آپ کو عطا ہوئے وہاں سردارانِ قریش نے اس الٰہی پیغام کو نہ صرف ٹھکرادیا بلکہ آنحضرت ﷺ اور مٹھی بھر صحابہ کا جینا دوبھر کردیا۔ بالآخر جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تو کسی طرح دعوت الی اللہ کے فریضہ سے باز نہیں آنے والے ہیں تب تمام قبائل نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نمائندہ اکٹھے ہوکر آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیں اور باہر نکلتے ہی آپ کو قتل کردیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے یثرب کی سرزمین میں جو بعد میں مدینہ کے نام سے مشہور ہوا، چند جاں نثار عُشاق کھڑے کردیئے جو بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں آپ کو عطا ہوئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوراً مکّہ سے ہجرت کرجانے کا حکم فرمایا اور آپ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت اور پناہ میں اپنے خاص ساتھی حضرت ابوبکر کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے سے مکہ کی سرزمین سے نکل پڑے اور غارِ ثور میں تین دن پناہ گزین رہنے کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت فرماگئے اور آہستہ آہستہ مکہ کے جاں نثار صحابہ بھی ہجرت کرکے مدینہ آنے لگے اور مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت قائم ہوگئی اور پھر دعوت الی اللہ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ یہودیوں کو بھی تبلیغ کی گئی نصاریٰ کو بھی تبلیغ کی گئی عوام النّاس کو بھی اور خواص النّاس کو بھی۔ حتّٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کی بڑی بڑی سلطنتوں کے بادشاہوں اور سربراہوں کو بھی تبلیغی خطوط لکھ کر اپنے خصوصی قاصدوں کے ذریعے پہنچانے کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ کسریٰ شاہِ ایران، قیصر شہنشاہِ روم، نجاشی شاہِ حبشہ، شاہِ مصر، شاہِ غسّان، اسی طرح رؤساء یمامہ، عمان و بحرین کو بھی تبلیغی خطوط روانہ کئے گئے۔ بعض خوش نصیب بادشاہوں نے آنحضرت ﷺ کے مکتوب کو آنکھوں سے لگایا اور قدردانی کے جذبات کا اظہار کیا پھر اللہ نے بھی ان پر فضل فرمایا اور بعض نے بے ادبی اور استہزاء کا مظاہرہ کیا اور مکتوب کو چاک کردیا اللہ نے بھی انکی حکومت کو پارہ پارہ کردیا۔

پھر اللہ کے حکم سے غزوۂ بدر سے جو دفاعی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اُسمیں بھی دعوت الی اللہ کا پہلو ہر لحاظ سے غالب رہا۔ چنانچہ غزوۂ خیبر میں آنحضرتؐ نے اسلامی پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے فرمایا ابھی روانہ ہوجاؤ اور سیدھے ان کے میدان میں جا اُترو۔ پھر سب سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں وہ اُنہیں بتلانا اور فرمایا اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری تبلیغ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ سعادت تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہے۔

سامعین کرام! عمر بھر دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنی زندگی کے آخری حج جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اُسمیں ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں اعلان فرمایا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ! اللہ کی خاطر گواہی دو کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ ہاں یا رسول

اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے دعوت الی اللہ کا حق ادا کر دیا ہے پھر آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اے اللہ! تُو بھی گواہ رہنا۔

(بخاری، کتاب الحج)

(تمام حوالے محترم حافظ مظفر احمد صاحب کی تالیف "اُسوۂ انسان کامل" سے لئے گئے ہیں)

حضرت مسیح موعود ومہدیٔ معہود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ سچائی کیلئے ایک مجدّدِ اعظم تھے جو گُم گشتہ سچائی کو دوبارہ دُنیا میں لائے......یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوئے جبکہ زمانہ نہایت درجہ کی ظُلمت میں پڑا ہوا تھا اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دُنیا سے انتقال فرمایا جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بُت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہِ راست اختیار کر چکے تھے اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپؐ ہی سے مخصوص تھی کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھائے یا دوسرے لفظوں میں یُوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخُدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت ان میں پُھونک دی اور سچے خُدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کر دیا۔ وہ خُدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور چیونٹیوں کی طرح پیروں میں کچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدمِ ثانی تھے بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جن کے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی بے بار و بر نہ رہی اور ختمِ نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کے تأخّر کی وجہ سے ہوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔''

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 206 تا 207)

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ملکِ عرب کیلئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ آپکے مخاطب تمام بنی نوع انسان تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کے ذریعے یہ اعلان کروایا ہے قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:159) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تُو کہہ دے کہ اے بنی نوع انسان یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

پھر جو سورۂ احزاب کی آیت ابتداء میں تلاوت کی تھی اُس میں آپ کو سراجاً منیراً کے لقب سے نوازا گیا۔ اس میں پیغام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں تو تمام بنی نوع انسان تک اسلام کا پیغام پہنچانا ممکن نہ تھا لیکن اس روحانی سورج کے غروب ہونے پر بھی اسکی روشنی ختم نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ پھر چاند نے طلوع ہو کر اس سورج کی روشنی سے دُنیا کو منوّر کرنا تھا اور بدرِ منیر کے ذریعے یعنی آپ کے روحانی فرزندِ جلیل مسیح موعود و مہدی معہود کے ذریعے غلبۂ اسلام کی آسمانی مہم سَر کی جانی تھی جس کا وعدہ سورۂ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ میں دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ اول میں تکمیل ہدایت کا فریضہ نہایت احسن طریق پر مکمل ہوا اب آپ کی دوسری بعثت جو آپ کے روحانی فرزند مسیح موعود و مہدی معہود کی صورت میں ہونی تھی اسمیں تکمیلِ اشاعتِ ہدایت مقدّر تھی۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بروزِ کامل کی صورت میں مسیح اور مہدی کے منصب پر فائز فرما کر ملکِ ہند میں مبعوث فرمایا اور وہ تمام ذرائع ابلاغ جن کی آج کی ترقی یافتہ دُنیا میں ضرورت تھی وہ سب بہم پہنچائے۔

اب ضرورت ہے کہ تمام احبابِ جماعت ان جدید ذرائع ابلاغ کو صحیح رنگ میں استعمال کرتے ہوئے دعوت الی اللہ کے اہم فریضہ کو سرانجام دیں۔

ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک مرتبہ پھر اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 8؍ستمبر 2017 میں احبابِ جماعت کو دعوت الی اللہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

''ہمیں اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں ایک تسلسل پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ سال میں ایک یا دو دفعہ عشرہ تربیت منا لیا، عشرہ تبلیغ منا لیا۔ سڑکوں پر کھڑے ہو کر لٹریچر تقسیم کر دیا اور سمجھ لیا کہ تبلیغ کا حق ادا ہو گیا......

اللہ تعالیٰ نے حکمت اور اچھی نصیحت اور ٹھوس دلیل کے ساتھ جو تبلیغ کا حُکم دیا ہے اُس کے مطابق چلنا ہمارا کام ہے اور مستقل مزاجی کے ساتھ اُسے کرتے چلے جانا ہمارا کام ہے۔ اس کے نتائج، اللہ نے فرمایا کہ میں نے پیدا کرنے ہیں۔ کس نے گمراہی میں بھٹکتے رہنا ہے اور کس نے ہدایت پانی ہے، یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں......ہمارے سے اگر پوچھا جائے گا تو صرف اتنا جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھنا ہے کہ کیا ہم نے پیغام پہنچایا؟ یا پھر کیوں ہم نے اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا نہیں کیا؟ اور کیوں اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نہیں کیا؟ کس نے ہدایت پانی ہے اور کس نے ہدایت نہیں پانی، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اگر ہم اپنا فرض پورا کر رہے ہیں تو مرنے کے بعد دُنیا کم از کم اللہ تعالیٰ کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہمیں تو اسلام کا پیغام ملا ہی نہیں تھا......''

اپنے خطبہ کے آخر میں حضورِ انور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس نصیحت کو سُناتے ہوئے جسمیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کیلئے سب سے اوّل تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسکی خوبیوں اور کمالات کو دُنیا میں پھیلاؤ۔'' (ملفوظات، جلد 8، صفحہ 323)

اسکے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''پس تبلیغ کیلئے بھی اپنی حالتوں میں پہلے پاک تبدیلیاں پیدا کرنیکی ضرورت ہے۔ ایک سچے مسلمان کا نمونہ جب انسان بن جائے تو پھر سوال ہی نہیں کہ لوگوں کی توجہ پیدا نہ ہو۔ وہ نمونہ دیکھ کر ہی لوگ توجہ پیدا کر دیتے ہیں اور اسطرح باقاعدہ تبلیغ سے پہلے تبلیغ کے راستے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

......☆......☆......☆......

نعت خیر البشرؐ

کلام حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا

السلام ! اے ہادی راہ ہدیٰ جان جہاں
والصلوٰۃ ! اے خیر مطلق اے شہ کون ومکاں

تیرے ملنے سے ملا ہم کو وہ ''مقصود حیات''
تجھ کو پاکر ہم نے پایا ''کام دل'' آرام جاں

آپ چل کر تو نے دکھلا دی رَہِ وصل حبیب
تو نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یار بے نشاں

ہے کشادہ آپؐ کا باب سخا سب کے لئے
زیرِ احساں کیوں نہ ہوں پھر مرد و زن پیر و جواں

تشنہ روحیں ہو گئیں سیراب تیرے فیض سے
علم و عرفانِ خُداوندی کے بحر بیکراں

ایک ہی زِینہ ہے اب بام مُراد وصل کا
بے ملے تیرے ملے ممکن نہیں وہ دِل ستاں

تو وہ آئینہ ہے جس نے منہ دِکھایا یار کا
جسم خاکی کو عطا کی روح اے جان جہاں

تا قیامت جو رہے تازہ تری تعلیم ہے
تو ہے روحانی مریضوں کا طبیبِ جاوداں

ہے یہی ماہِ مبیں جس پر زوال آتا نہیں
ہے یہی گلشن جسے چھوتی نہیں بادِ خزاں

''کوئی رہ نزدیک تر راہ محبت سے نہیں''
خوب فرمایا یہ نکتہ مہدی آخر زماں

یہ دُعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو
میرا سر ہو اور تیرا پاک سنگ آستاں

سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ عفو ودرگزر کے آئینہ میں

(نصیر احمد عارف، مربی سلسلہ، نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ قادیان)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

(آل عمران:160)

ترجمہ: پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تو ان کیلئے نرم ہوگیا اور اگر تو تندخو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دور بھاگ جاتے ۔ پس ان سے درگزر کر اور ان کیلئے بخشش کی دعا کر۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں عفو و درگزر کا خلق خاص طور پر ودیعت کیا ہوا تھا، جس کا ہمیں مندرجہ بالا آیت کریمہ سے پتا چلتا ہے۔ پھر آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے عفو سے اونچے مقام صفحؐ کی بھی تعلیم دی۔ صفح کے معنی ایسی معافی کے ہیں جس کے بعد دل میں کوئی خلش یا تلخی باقی نہ رہے اور پھر اس معافی کا دل میں خیال تک نہ گزرے۔ یعنی صدق دل سے مکمل طور پر معاف کردیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدہ:14) یعنی ان سے درگزر کر اور صرفِ نظر کر۔ یقیناً اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

پھر فرمایا: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (الحجر:85) یعنی بہت عمدہ طریق پر درگزر کر۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

عَنْ عَطِيَّةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ

(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4786)

یعنی غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غُصہ آئے تو اسے وضو کرلینا چاہئے۔

پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو دبانے اور معاف کرنے کے لیے بہت اعلیٰ تعلیم پیش فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر غصے کا گھونٹ پی لینے کا جتنا اجر ہے وہ کسی دوسرے گھونٹ کا نہیں ہے۔

ایک اور حدیث ہے: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

(بخاری، کتاب الادب، باب الحذر عن الغضب)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاقتور پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے۔ اصل میں پہلوان وہ ہے جو غصّے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگزر کا جو سلوک لوگوں سے فرمایا اور اس کے پاک اور بہترین نمونے قائم فرمائے ان کا ذکر اتنا طویل ہے کہ اس مختصر مضمون میں اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ کے عفو و درگزر کے حسین اور بے نظیر نمونے نہ صرف دوستوں کے ہیں بلکہ دشمنوں کے حق میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ عفو و درگزر کے بہترین اور کامل مظہر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توریت میں بیان علامت پوچھی گئی تو انہوں نے بیان کیا کہ:

”وہ نبی تندخو اور سخت دل نہ ہوگا، نہ بازاروں میں شور کرنے والا، بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دے گا بلکہ عفو اور بخشش سے کام لے گا۔“ (یسعیاہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم کے بارہ میں یہ گواہی دیتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کی خاطر اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی کا انتقام نہیں لیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ! ہم کتنی دفعہ اپنے خادم کو معاف کریں۔ حضور خاموش رہے۔ اس نے پھر سوال کیا۔ حضور پھر خاموش رہے۔ جب تیسری مرتبہ اس نے یہی سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا میں تو دن میں ستر مرتبہ اسے معاف کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کسی پہلو کو جب ہم سنتے ہیں یا آپؐ کے کسی حسین خلق کا کہیں ذکر کرتے ہیں تو لازما آپؐ کے اس خلق کو اختیار کرنے کی پابندی بھی ہم پر عائد ہوتی ہے اور ہمیں دعا بھی کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ویسا بننے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ اگر ہم اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے گا۔

قارئین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی عفو اور درگزر کے عملی نمونوں سے بھری پڑی ہے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت قریبی تعلق رکھنے والے صحابی حضرت ہند بن ابی ہالہؓ آپؐ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دُنیوی معاملہ کی وجہ سے غصہ نہ ہوتے نہ برا مناتے۔ لیکن اگر حق کی بے حرمتی ہوتی یا حق غصب کرلیا جاتا تو آپؐ کے غصہ کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی، آپ کو چین نہیں آتا تھا۔ اپنی ذات کیلئے کبھی غصہ نہ ہوتے اور نہ اس کیلئے بدلہ لیتے۔

(شرح السنہ للبغوی جامع صفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن ابو بکر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے ذکر کیا کہ جنگ حنین میں بھیڑ کی وجہ سے اُن کا پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پر جا پڑا۔ سخت قسم کی چپل جو میں نے پہن رکھی تھی اس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں بری طرح زخمی ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف کی وجہ سے ہلکا سا کوڑا مارتے ہوئے فرمایا : عبداللہ تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے۔ اس سے مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ ساری رات میں سخت بے چین رہا کہ ہائے مجھ سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔ صبح ہوئی تو کسی نے مجھے آواز دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلاتے ہیں۔ مجھے اور گھبراہٹ ہوئی کہ کل کی غلطی کی وجہ سے شاید میری شامت آئی ہے ۔ بہر حال میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شفقت سے فرمایا: کل تم نے میرا پاؤں کچل دیا تھا اور اس پر میں نے تم کو ایک کوڑا ہلکا سا مارا تھا اس کا مجھے افسوس ہے ۔ یہ 80 بکریاں تمہیں دے رہا ہوں یہ لو اور جو تکلیف تمہیں مجھ سے پہنچی ہے اس کو دل سے نکال دو۔

(مسند دارمی، باب فی سخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

فتح خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے والی یہودی عورت کو بھی آپ نے معاف فرمادیا۔ روایت میں آتا ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد خیبر کے رہنے والوں کو عام آزادی مل چکی تھی اور ان کے روزمرہ کے کام کاج اب معمول پر آنے لگے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی وہیں قیام فرما تھے۔ اس دوران یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی انتہائی مجرمانہ سازش تیار کی اس کے لیے انہوں نے باقاعدہ مشورہ کر کے زینب بنت الحارث کو تیار کیا۔ اس نے حسب تجویز آپ کے لیے اور آپ کے صحابہ کے لیے بکری کا بھنا ہوا گوشت بھجوانے کی درخواست کی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اس نے یہ پتا کرلیا تھا کہ آپ کو بکری کی دستی کا گوشت مرغوب ہے ۔ چنانچہ اس نے جب گوشت بھونا تو اس میں زہر ملایا اور خصوصا دستی کو خوب زہر آلود کیا۔ نماز مغرب کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے کو لوٹے تو اس یہودیہ کو دروازے پر انتظار کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے عرض کی کہ وہ آپ کے لیے اور صحابہ کے لیے بکری کا بھنا ہوا گوشت لائی ہے۔ آپؐ نے اسے قبول فرمالیا۔ جب سب اکٹھے ہو کر کھانے کے لیے بیٹھے تو آپنے اس گوشت سے لقمہ لیا۔ دیگر صحابہ نے بھی اس گوشت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور بعض نے لقمے منہ میں ڈال بھی لیے۔ حضرت بشر بن البراء جو آپ کے ساتھ ہی بیٹھے تھے انہوں نے بھی لقمہ لیا، منہ میں ڈالا اور کھانا شروع کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

لقمہ ابھی چبایا ہی تھا کہ آپ کو زہر کا علم ہو گیا۔ آپ نے سب صحابہ کو اس گوشت سے ہاتھ کھینچ لینے کا حکم فرمایا اور فرمایا دستی کی ہڈی مجھے بتا رہی ہے کہ اسے زہر میں بجھایا گیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ آپ اسے محسوس کرتے حضرت بشر بن البراء لقمہ نگل چکے تھے۔ حضرت بشر بن البراءؓ اس زہر کے اثر سے جانبر نہ ہو سکے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا جس نے اس سازش کو عملی جامہ پہنایا تھا اور اس سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے یہ عذر پیش کیا کہ آپ نے ان کی قوم کا جو حال کیا ہے، آپ سے مخفی نہیں۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو آپ سے نجات پا جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر فرمایا اور کوئی انتقام نہ لیا۔

قارئین کرام! بیٹیاں باپ کے جگر کا ٹکڑا ہوتی ہیں اور ان کا غم ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اس حوالے سے عفو و درگزر کے علمبردار باپ کا نمونہ دیکھیں۔

ہبار بن الاسود نامی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب پر مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت نیزے سے قاتلانہ حملہ کیا اور وہ اونٹ پر سے ایک پتھریلی چٹان پر گر گئیں۔ اس حادثہ کے نتیجہ میں ان کا حمل ضائع ہو گیا اور بالآخر یہی چوٹ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اس جرم کی بنا پر حضور نے اس کے قتل کا فیصلہ فرما دیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر تو یہ بھاگ کر کہیں چلا گیا۔ بعد میں جب نبی کریم واپس مدینہ تشریف لائے، ہبار حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور رحم کی بھیک مانگتے ہوئے عرض کیا کہ پہلے تو میں آپ کے ڈر سے فرار ہو گیا تھا، مگر پھر آپ کے عفو و رحم کا خیال مجھے آپ کے پاس واپس لایا ہے۔ اے خدا کے نبی! ہم جاہلیت اور شرک میں تھے۔ خدا نے ہمیں آپ کے ذریعہ ہدایت دی اور ہلاکت سے بچایا۔ پس میری جہالت سے صرف نظر فرمائیں۔ بے شک میں اپنے قصوروں اور زیادتیوں کا اقراری اور معترف ہوں۔ عفو و کرم کے اس پیکر نے اپنی صاحبزادی کے اس قاتل کو بھی بخش دیا اور فرمایا: جا اَے ہبار! میں نے تجھے معاف کیا۔ اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا:

تو نے مجھے خرید لیا اِک نگہ کے ساتھ
اب تو ہی تو ہے تیرے سوا میں ہوں کالعدم

آپؐ کے جاں نثار چچا حضرت حمزہ جن کی شہادت جنگ احد میں ہوئی اور آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ احد میں سب سے زیادہ دکھ انہیں کی شہادت کا تھا۔ ان کا قاتل جب آپ سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو دیکھئے اس عفو و درگزر کے پہاڑ نے کس مضبوطی اور وسعت حوصلہ کا نمونہ پیش کیا۔

وحشی بن حرب وہ غلام تھا، جس نے اپنی غلامی سے آزادی کے لالچ میں غزوۂ احد میں سامنے آکر مقابلہ کرنے کی بجائے چھپ کر اسلامی علمبردار حضرت حمزہ پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وحشی طائف کی طرف بھاگ گیا۔ بعد میں مختلف علاقوں سے سفارتی وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ وحشی کو کسی نے مشورہ دیا کہ نبی کریم سفارتی نمائندوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ بجائے چھپ چھپ کر زندگی گزارنے کے تم بھی کسی وفد کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہو کر عفو کی بھیک مانگ لو۔ چنانچہ وہ طائف کے سفارتی وفد کے ساتھ آیا اور حضورؐ سے آپ کے چچا کے قتل کی معافی چاہی۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ تم وحشی ہو؟ اس نے کہا ”جی حضور! اب میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ”حمزہ کو تم نے کس طرح قتل کیا تھا؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے اس واقعہ کی تفصیل پوچھی اس نے بتایا کہ کس طرح تاک کر اور چھپ کر ان کو نیزہ مارا اور شہید کیا تھا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے محبوب چچا کی شہادت کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی۔ صحابہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ شاید اس وقت آپ کو حضرت حمزہ کے احسانات بھی یاد آئے ہوں گے۔ وہ ابوجہل کی ایذاؤں کے مقابل پر آپ کی سپر بن کر اسلام کی کمزوری کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور آخر دم تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے رہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اور قدرت و طاقت پا کر جذبات انتقام میں کس قدر طلاطم برپا ہو سکتا ہے اور اس کا اندازہ اہل دل ہی کر سکتے ہیں۔

مگر دوسری طرف وحشی قبول اسلام کا اعلان کر کے عفو کا طالب ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت اور حوصلے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ وحشی! میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ کیا تم اتنا کر سکتے ہو کہ میری نظروں کے سامنے نہ آیا کرو؟ تا کہ اپنے پیارے چچا کی المناک شہادت کی دکھ بھری یاد مجھے بار بار ستاتی نہ رہے۔ وحشی نے رسول اللہ کا یہ حیرت انگیز احسان دیکھا تو آپکے حسن خلق کا معترف ہو کر صدق دل سے مسلمان ہوا اور حضرت حمزہؓ کے قتل کا کفارہ ادا کرنے کی سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا کہ اب میں اسلام کے کسی بڑے دشمن کو ہلاک کر کے حضرت حمزہؓ کے قتل کا بدلہ چکاؤں گا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچانے والا یہی وحشی ہی تھا جس کا دل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت سے جیت لیا تھا۔

پھر ہند بنت عتبہ یعنی ہندہ کو کون نہیں جانتا۔ وہ بھی اس عفو و درگزر کے چشمہ رواں سے بخشش اور معافی کی طلب گار ہوتی ہے اور حضورؐ اسے بھی معاف فرماتے ہیں۔ جنگ احد میں اسی ہند نے انعام کی لالچ میں اپنے غلام وحشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کو قتل کروا کے ان کی نعش کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا تھا۔ ان کے ناک کان اور دیگر اعضا کاٹ کر لاش کا حلیہ بگاڑا اور ان کا کلیجہ چبا کر آتش انتقام سرد کی تھی۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی بیعت لی تو یہ ہند بھی نقاب اوڑھ کر آ گئی کیونکہ اس کے جرائم کی وجہ سے اسے بھی واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ بولی، دو دفعہ بولی، اس وقت بھی اس نے گستاخیاں کیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیعت کے الفاظ دہرائے تو کہنے لگی کہ مردوں سے تو آپ یہ بیعت نہیں لیتے۔ آپؐ سمجھ گئے کہ یہ کون ہے۔ اس کے بعد جب آپؐ نے یہ عہد لیا کہ اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی۔ ہند بولی، ہم نے جو بچے پال پوس کر جوان کیے تھے وہ تو جنگ بدر کے دن آپ نے قتل کر دیئے تھے۔ اس وقت آپ کے زخموں پر نمک پاشی ہو رہی تھی۔ ایسا شخص جو اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ آگے سے جواب دے رہا ہے اور گستاخیاں کر رہا ہے اس پر بھی آپ نے جواباً مسکرا کر فرمایا ہند! میں جانتا ہوں تم عتبہ کی بیٹی ہو۔ یہ تھے ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لیا ظلم کا عفو سے انتقام
علیک الصلوٰۃ علیک السلام

قربان جائیں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپؐ نے کیسے اعلیٰ اور عمدہ عفو و درگزر کے نمونے قائم فرمائے۔ پس آپؐ کا یہ خلق ہمیں انتہائی ذمہ داریوں کی طرف دعوت دیتا ہے کہ ہم آپؐ کے اعلیٰ خلق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوشش کو قبول فرمائے اور ہمارا قدم آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے اور جب بھی آنحضور کے کسی بھی خلق کے بارہ میں سنیں تو اپنے معیار میں اضافہ کرتے ہوئے اس خلق کو اپنانے کی کوشش کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کے تعلق سے چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور جو شخص دوسرے کے قصور معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اور زیادہ عزت دیتا ہے اور کسی کے قصور معاف کر دینے سے کوئی بے عزتی نہیں ہوتی۔

(مسلم، باب استحباب العفو)

حضرت معاذ بن انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تو قطع تعلق کرنے والے سے تعلق قائم رکھے۔ اور جو تجھے نہیں دیتا اسے بھی دے۔ اور جو تجھے برا بھلا کہتا ہے اس سے تو درگزر کر۔ (مسند احمد)

عفو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے تو میں اللہ سے کیا دعا کروں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ دعا کرنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (سنن ترمذی، کتاب الدعوات)

یعنی اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس مجھ

سے درگزر فرما۔

قارئین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مصیبتوں، دکھوں اور تکلیفوں کے وہ کون سے پہاڑ تھے جو نہ ٹوٹے ہوں مگر اس کے باوجود آپؐ نے نہایت عفو اور درگزر سے کام لیا اور کبھی بھی انتقام لینے کی کوشش نہیں کی۔حتیٰ کہ جب طاقت میں آئے تو وہ دشمن جنہوں نے آپؐ کو اور آپ کے صحابہؓ کو بے حد تکلیفیں دیں اور ظلم و زیادتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، آپؐ نے انہیں بھی معاف کر دیا اور معاف بھی ایسا کیا کہ پھر انکی زیادتیوں کا خیال تک بھی دل میں نہ لائے۔

آج کے دور میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی میں بھی عفو اور درگزر کی ایسی ہی روشن مثالیں نظر آتی ہیں جو حقیقت میں حضور اکرمؐ کے ہی زندگی بخش اسوہ کی تصویر ہیں۔آپؑ فرماتے ہیں:

''میری نصیحت یہی ہے کہ دو باتوں کو یاد رکھو۔ایک خدا تعالیٰ سے ڈرو، دوسرے اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو جیسی اپنے نفس سے کرتے ہو۔اگر کسی سے کوئی قصور اور غلطی سرزد ہو جاوے تو اسے معاف کرنا چاہئے۔نہ یہ کہ اس پر زیادہ زور دیا جاوے اور کینہ کشی کی عادت بنا لی جائے۔'' (ملفوظات، جلد 5، صفحہ 69، ایڈیشن 2003، قادیان)

ایصال خیر کی اقسام بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا۔اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے......پس اس کو بخش دینا، اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10، صفحہ 351)

خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اقتباس پر مضمون کو ختم کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عفو و درگزر کے حقیقی معنوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپناتے ہوئے عفو اور درگزر کرنے والے بن جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہی اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا۔دُکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا۔ان کے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا اور قابو پا کر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا۔چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اخلاق دیکھ کر گواہی دی کہ جب تک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقۃً راست باز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھلا نہیں سکتا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے دشمنوں کے پُرانے کینے یکلخت دور ہو گئے۔آپ کا بڑا بھاری خلق جس کو آپ نے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ خلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

یعنی ان کو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے۔یعنی اس کا جلال ظاہر کرنے کیلئے اور نیز اس کے بندوں کے آرام دینے کیلئے ہے تا میرے مرنے سے اُن کو زندگی حاصل ہو۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی، رُوحانی خزائن جلد 10، صفحہ 448)

......☆......☆......☆......

اَے شاہِ مکّی و مَدَنی، سیّد الوریٰ

(بزبان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام)

منظوم کلام سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

اَے شاہِ مکّی و مَدَنی ، سیّد الوَریٰؐ
تجھ سا مجھے عزیز نہیں کوئی دوسرا

تیرا غلام دَر ہوں ، ترا ہی اسیرِ عشق
تو میرا بھی حبیب ہے ، محبوبِ کبریاؐ

تیرے جِلَو میں ہی مِرا اٹھتا ہے ہر قدم
چلتا ہوں خاکِ پا کو تِری چُومتا ہُوا

تو میرے دل کا نور ہے ، اَے جانِ آرزو
روشن تجھی سے آنکھ ہے ، اَے نیّر ہدیٰؐ

ہیں جان و جسم ، سو تری گلیوں پہ ہیں نثار
اولاد ہے ، سو وہ تِرے قدموں پہ ہے فِدا

تو وہ کہ میرے دِل سے جگر تک اتر گیا
مَیں وہ کہ میرا کوئی نہیں ہے تِرے سِوا

اے میرے والے مصطفیٰ ، اے سیّد الوَریٰؐ
اے کاش ہمیں سمجھتے نہ ظالم جُدا جُدا

ربّ جلیل کی ترا دِل جلوہ گاہ ہے
سِینہ ترا جمالِ الٰہی کا مُستَقر

قِبلہ بھی تُو ہے ، قِبلہ نُما بھی تِرا وجُود
شانِ خُدا ہے تیری اداؤں میں جلوہ گر

نور و بشر کا فرق مِٹاتی ہے تیری ذات
''بعد از خدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر''

تیرے حضور تہ ہے مِرا زانُوئے ادب
میں جانتا نہیں ہوں کوئی پیشوا دِگر

تیرے وُجُود کی ہوں مَیں وہ شاخِ باثمر
جس پر ہر آن رکھتا ہے ربُّ الوَریٰ نظر

ہر لحظہ میرے درپئے آزار ہیں وہ لوگ
جو تجھ سے میرے قُرب کی رکھتے نہیں خبر

مُجھ سے عِناد و بُغض و عداوَت ہے اُن کا دِیں
اُن سے مجھے کلام نہیں لیکن اِس قدر

اَے وہ کہ مُجھ سے رکھتا ہے پَرخاش کا خیال
''اَے آں کہ سُوئے من بِدَویدی بَصَد تبَر

از باغباں بتَرس کہ من شاخِ مثمرم
بَعد از خدا بَعشقِ محمدؐ مُخمّرم
گر کفر ایں بَوَد بخدا سخت کافرم''

آزاد تیرا فیض زمانے کی قید سے
برسے ہے شرق و غرب پہ یکساں ترا کرم

تُو مشرقی نہ مغربی اے نورِ شَش جہات
تیرا وطن عرب ہے ، نہ تیرا وطن عجم

تُو نے مجھے خرید لیا اِک نگہ کے ساتھ
اب تو ہی تو ہے تیرے سِوا میں ہوں کالعدَم

ہر لحظہ بڑھ رہا ہے مِرا تجھ سے پیار دیکھ
سانسوں میں بس رہا ہے تِرا عشق دَم بدَم

میری ہر ایک راہ تری سَمت ہے رواں
تیرے سوا کسی طرف اٹھتا نہیں قدم

اَے کاش مُجھ میں قوّت پرواز ہو تو مَیں
اُڑتا ہوا بڑھوں ، تری جانب سُوئے حرَم

تیرا ہی فیض ہے کوئی میری عطا نہیں
''ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دِہم

یک قطرۂ زِ بحر کمالِ محمدؐ است
جان و دِلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکَم نثارِ کُوچۂ آلِ محمدؐ است''

......☆......☆......☆......

کلامُ الامام

''اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کیلئے سب سے اوّل تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ۔''

(ملفوظات جلد 4، صفحہ 615)

ارشاد باری تعالیٰ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

(سورۃ البقرہ :61)

اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فسادی بنتے ہوئے بدامنی نہ پھیلاؤ

سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ــــ صحابہؓ سے شفقت و محبّت کے آئینہ میں

(لئیق احمد ڈار، مربی سلسلہ، نظارت علیا قادیان)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(سورۃ التوبہ آیت 128)

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا۔ اُسے بہت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اُٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص رہتا ہے۔ مومنوں کے لئے بے حد مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کیلئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ یعنی میں اچھے اور اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔

(مؤطا امام مالک باب فی حسن الخلق)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی جہاں عشق الٰہی میں ڈوبی نظر آتی ہے وہاں مخلوق الٰہی سے محبت وشفقت کا سلوک روا رکھنے میں بھی کوئی آپ سے آگے نہیں۔ ایک طرف باوجود بہت بڑی جماعتی ذمہ داری کے شب وروز آپ عبادت میں مشغول ہیں تو دوسری جہت سے انسانیت کا عظیم درس اپنے عملی نمونہ کے ساتھ پیہم دیتے نظر آتے ہیں۔ عاشق رسول حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے...... اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اسکی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین وآخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔''

(روحانی خزائن، جلد 22، حقیقۃ الوحی، صفحہ 119)

آپ کے وجود سے دُنیا کو ایک سوغات ملی۔ صدیوں کے قحط کے بعد ایک بادل ایسا برسا کہ ہر طرف ہریالی اور خوشحالی کی فضا نمودار ہوئی۔ ایک حشر بپا ہوا کہ صدیوں کے مردے زندہ ہوئے۔ دُنیا نے عالمگیر سطح پر اسلام کے آئینہ سے پہلی بار خدا دیکھا اور ایک خدا نُما دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں ایک ایسی ہستی کو دیکھا کہ جو سب پیمبروں سے برتر اور سراپا رحیم وکریم ہے، ایک بے کنار محبت کا سمندر ہے، یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ، غریبوں، مسکینوں کا ملجا، بیواؤں اور بے سہاروں کا ماویٰ، کمزوروں کا بار اُٹھانے والا، صلہ رحمی کرنے والا ہے۔ انہی صفات کاملہ کی وجہ سے پھر ایک دُنیا فنا فی اللہ والرسول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر ہزار ہزار درود وسلام کرے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ وَحُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ۔

حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے منشا کے عین مطابق تھی۔ آپ کے حسن وجمال کے کیا کہنے۔ دربارِ نبوی کے مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

کہ اے محمدؐ! تجھ سے زیادہ حسین کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور تجھ سے بڑھ کر خوبصورت کسی عورت نے جنا نہیں۔ اَے پاک نبی! تجھ کو ہر عیب سے اس طرح پاک وصاف پیدا کیا گیا گویا جس طرح آپ چاہتے تھے اُسی طرح بنائے گئے۔ (از دیوان حسان بن ثابتؓ)

حضرت رسول کریم ﷺ کو ہر ایک سے سلوک للّٰہی تھا۔ صحابہؓ سے محبت بھی للّٰہی تھی۔ احادیث مبارکہ اور سیرت کی کتب میں بے شمار ایمان افروز واقعات ملتے ہیں جو حضور پاک ﷺ کے سلوک اور معاملگی کو اظہر من الشّمس بیان کرتے ہیں۔ موضوع کی رعایت سے آپ کے صحابہ سے محبت وشفقت کے چند واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے ایک غریب صحابی جو اتفاقی طور پر نہایت بدصورت بھی تھے گرمی کے موسم میں بوجھ اُٹھا اُٹھا کر ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کر رہے تھے۔ ایک طرف اُن کا چہرہ بدصورت تھا تو دوسری طرف گردوغبار اور پسینہ کی وجہ سے وہ اور بھی بدنما نظر آ رہا تھا۔ عین اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں سے گزرے اور آپ نے اُن کے چہرہ پر افسردگی کی علامتیں دیکھیں۔ آپ خاموشی سے اُن کے پیچھے چلے گئے اور جیسے بچے آپس میں کھیلتے وقت چوری چھپے پیچھے سے جا کر کسی دوست کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے اور پھر یہ امید کرتے ہیں کہ وہ اندازہ لگا کر بتائے کہ کس شخص نے اُس کی آنکھیں بند کی ہیں اسی طرح آپ نے اُن کی آنکھوں پر جا کر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے آپ کے بازو اور جسم کو ٹٹولنا شروع کیا اور سمجھ لیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یوں بھی وہ سمجھتا تھا کہ اتنے غریب، اتنے بدصورت اور اتنے بدحال آدمی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اپنی محبت کا اظہار اور کون کر سکتا ہے۔ یہ معلوم کر کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے ساتھ اظہار محبت کر رہے ہیں اس نے اپنا مٹی آلود اور پسینہ سے بھرا ہوا جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے ساتھ ملنا شروع کیا۔ شاید وہ یہ دیکھتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کا حوصلہ کتنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے اور اُس کو اس حرکت سے منع نہ کیا جب وہ پیٹ بھر کر آپ کے کپڑوں کو خراب کر چکا تو آپ نے مذاقاً فرمایا میرے پاس ایک غلام ہے کوئی اس کا خریدار ہے؟ آپ کے اس فقرہ نے اُس کو عرش سے فرش پر لا کر پھینک دیا اور اس بات کی طرف اس کی توجہ پھرا دی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون مجھ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھ سکتا ہے اور میں کس قابل ہوں کہ غلام کر کے ہی کوئی مجھے خریدے۔ اس نے افسردگی سے کہا یا رسول اللہ! میرا خریدار دنیا میں کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں! نہیں! ایسا مت کہو تمہاری قیمت خدا کی نظر میں بہت زیادہ ہے۔

(شمائل ترمذی باب ما جاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ ﷺ) (کتاب نبیوں کا سردار صفحہ 289 تا 290، ایڈیشن 2013ء از قادیان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شفقت و محبت کا واقعہ حدیث میں اس طرح پر ملتا ہے:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا۔ حضوؐر میرے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے اونٹ کو کیا ہوا جو چل نہیں رہا۔ میں نے عرض کیا حضور! یہ چلنے سے عاجز ہو چکا ہے۔ حضوؐر نے اسے ہانکنا شروع فرمایا اور ساتھ ساتھ دُعا بھی فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ اُونٹ تیز چلنے لگا اس پر حضوؐر نے فرمایا اب تمہارا اونٹ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور آپؐ کی برکت اور دُعا کے طفیل سے اب تیز چلنے لگا ہے۔ حضور نے فرمایا کیا تم اسے فروخت کرو گے؟ میرے پاس پانی لانے کیلئے اس اُونٹ کے علاوہ کوئی اور اُونٹ نہیں تھا لیکن میں نے شرما شرمی کہہ دیا کہ اس کو فروخت کروں گا۔ حضوؐر نے فرمایا۔ اچھا اسے میرے پاس فروخت کر دو۔ میں نے اس اونٹ کو حضوؐر کے پاس اس شرط پر فروخت کر دیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ دورانِ سفر مَیں نے حضوؐر سے عرض کیا کہ حضور میری نئی نئی شادی ہوئی ہے مجھے مدینہ پہنچنے کی اجازت دیں۔ حضور نے مجھے اجازت دی اور میں دوسرے لوگوں سے پہلے مدینہ میں آ گیا۔ راستہ میں مجھے میرے ماموں ملے انہوں نے اونٹ کے بارہ میں پوچھا کہ یہ مریَل اونٹ اب تیز کس طرح چلنے لگا۔ میں نے تمام واقعہ انہیں سنا دیا (کہ حضوؐر نے اس طرح اس کے لئے دعا کی حضوؐر کے پاس فروخت کرنے کا بھی ذکر سنایا) تو ماموں نے مجھے ملامت کی۔ حضوؐر سے جب مَیں نے اجازت مانگی تو حضوؐر نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے شادی کنواری لڑکی سے کی ہے یا بیوہ عورت سے؟ مَیں نے عرض کیا حضور! بیوہ عورت سے شادی کی ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا تم نے کسی کنواری لڑکی سے شادی کرنی تھی، وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! والد شہید ہو گئے اور پیچھے میرے لئے کئی چھوٹی چھوٹی بہنیں چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند نہیں کیا کہ انہی جیسی مَیں بیوی گھر لے آؤں اور انکی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ جب حضوؐر مدینہ تشریف لائے۔

میں صبح صبح اُونٹ لے کر حاضر ہوا۔ حضوؐر نے مجھے اس کی قیمت بھی عطا فرمائی اور اُونٹ بھی (تحفۃً) دے دیا۔

(بخاری کتاب الجھاد باب استیذان الرجل......بحوالہ حدیقۃ الصالحین مصنفہ مولانا ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم حدیث نمبر 357)

ایک اور حدیث پیش ہے۔ اس حدیث سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کمال شفقت و محبت کا پتا چلتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مِلے۔ حضور علیہ السلام نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے جابر آج میں تمہیں پریشان اور اُداس کیوں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا حضور میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور کافی قرض اور بال بچے چھوڑ گئے ہیں۔ حضور فرمانے لگے کیا میں تمہیں یہ خوشخبری نہ سُناؤں کہ کس طرح تمہارے والد کی اللہ تعالیٰ کے حضور پذیرائی ہوئی۔ میں نے عرض کیا ہاں حضور ضرور سُنائیں اس پر آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر کسی سے گفتگو کی ہے تو ہمیشہ پردہ کے پیچھے سے کی ہے لیکن تمہارے باپ کو زندہ کیا اور اس سے آمنے سامنے گفتگو کی اور فرمایا میرے بندے مجھ سے جو مانگنا ہے مانگ۔ میں تجھے دونگا تو تمہارے والد نے جواباً عرض کیا اے میرے ربّ میں چاہتا ہوں کہ تو زندہ کر کے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دے تا کہ تیری خاطر دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ میں یہ قانون نافذ کر چکا ہوں کہ کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں نہیں لوٹاؤں گا۔ (ترمذی، ابواب التفسیر، تفسیر سورۃ آل عمران، بحوالہ کتاب حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 320)

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی تھا جو میرے کھجوروں کے باغ کا نیا پھل تیار ہونے تک مجھے قرض دیا کرتا تھا۔ میری یہ زمین رومہ نامی کنوئیں والے راستہ پر واقع تھی۔ ایک بار سال گزر گیا مگر پھل کم لگا اور پوری طرح تیار بھی نہ ہوا۔ پھل کی برداشت کے موسم میں وہ یہودی حسب معمول اپنا قرض وصول کرنے آ گیا جبکہ اس سال میں نے کوئی پھل نہ توڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے مزید ایک سال کی مہلت مانگی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس کی نیت یہ تھی کہ اس طرح شاید یہ پورے کا پورا باغ میرے قبضہ میں آ جائے۔ تو اس واقعہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے صحابہ کو فرمایا کہ چلو ہم یہودی سے جابر کے لئے مہلت طلب کرتے ہیں۔ حضرت جابر کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مع چند صحابہ کے میرے باغ میں تشریف لائے اور یہودی سے بات کی۔ مگر یہودی نے کہا۔ اے ابوالقاسم! میں اسے مہلت نہیں دوں گا۔ یہودی کا یہ رویّہ دیکھ کر آپ نے کھجور کے درختوں میں ایک چکر لگایا پھر آ کر یہودی سے دوبارہ بات کی۔ لیکن اس نے پھر انکار کر دیا۔ کہتے ہیں اس دوران مَیں نے باغ سے کچھ کھجوریں توڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں جو آپ نے تناول فرمائیں۔ پھر فرمایا جابر یہاں تمہارا جو باغوں میں چھپّر سا ہوتا ہے، آرام کرنے کی جگہ ہوتی ہے وہ کہاں ہے؟ میں نے بتایا تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے وہاں چٹائی بچھا دو تا کہ میں کچھ دیر آرام کروں۔ کہتے ہیں میں نے تعمیل ارشاد کی۔ آپ وہاں سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو میں پھر مٹھی بھر کھجوریں لایا۔ آپ نے ان میں سے کچھ کھائیں۔ پھر کھڑے ہوئے اور یہودی سے دوبارہ بات کی مگر وہ نہ مانا۔ آپ نے دوبارہ باغ کا چکر لگایا اور مجھ سے فرمایا جابر کھجوروں سے پھل اتارنا شروع کرو اور یہودی کا قرض ادا کرو۔ میں نے پھل اتارنا شروع کیا۔ اس دوران آپ کھجوروں کے درختوں میں کھڑے رہے۔ کہتے ہیں میں نے پھل توڑ کر یہودی کا سارا قرضہ ادا کر دیا اور کچھ کھجوریں بچ گئیں۔ میں نے حضور کی خدمت میں یہ خوشخبری عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔‘‘

(ماخوذ از خطبہ جمعہ 30 مارچ 2018)

ذیل میں چند احادیث پیش ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو وفات کے بعد بھی خیر اور بھلائی پہنچانے کے لئے ہر دم تیار رہتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چند دن نہیں دیکھا تو اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا وہ مر گئی۔ آپؐ نے فرمایا، پھر مجھے کیوں خبر نہ دی۔ بعد اس کے آپؐ اس کی قبر پر آئے اور اس پر نماز پڑھی۔

یزید بن ثابت سے روایت ہے جو زید بن ثابت کے بڑے بھائی تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، جب آپ بقیع میں پہنچے تو وہاں ایک نئی قبر دیکھی، اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا فلاں عورت کی ہے۔ آپ نے اس کو پہچانا اور فرمایا، تم نے مجھ کو کیوں خبر نہ کی۔ لوگوں نے کہا آپؐ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے اور روزہ دار تھے، تو ہم نے برا جانا آپ کو تکلیف دینا۔ آپؐ نے فرمایا، اب ایسا مت کرنا۔ جب تم لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص مر جاوے جس کو میں پہچانتا ہوں تو جب تک میں تم میں زندہ ہوں مجھ کو خبر کرتے رہو۔ اس لیے کہ میری نماز اس پر اس کے لیے رحمت ہے۔ (جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ یعنی نماز پڑھ ان پر تیری نماز سکینت ہے ان کیلئے) پھر آپ اس قبر کے پاس آئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی، آپ نے چار تکبیریں کہیں (یعنی جنازے کی نماز پڑھی چار تکبیروں کے ساتھ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص مر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کیا کرتے تھے تو لوگوں نے اسے رات کو دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی اس وقت آپ کو خبر ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا، تم نے مجھ کو خبر کیوں نہ دی، اس کے مرتے ہی، لوگوں نے عرض کیا رات کا وقت تھا اور اندھیرا تھا۔ ہم نے آپ کو تکلیف دینا برا جانا۔ پھر آپؐ اس کی قبر پر آئے اور وہاں اس کی نماز پڑھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نماز پڑھی جب وہ قبر میں دفن ہو چکا تھا۔

(سنن ابن ماجہ، جلد 1، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کونسا عمل۔ فرمایا والدین سے نیکی کرنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون سا عمل ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کوشش کرنا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بیان فرمایا اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اور پوچھتا تو آپ اور بتاتے۔

سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’باوجود ایک ملک کے بادشاہ ہونے کے طبیعت میں ایسا وقار ہے کہ ہر ایک چھوٹا بڑا جو دل میں آئے آپ سے پوچھتا ہے اور جس قدر چاہے سوال کرتا ہے۔ لیکن آپ اس پر بالکل ناراض نہیں ہوتے بلکہ محبت اور پیار سے جواب دیتے ہیں اور اس محبت کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے دلوں میں یقین کر لیتے ہیں کہ ہم جس قدر بھی سوال کرتے جائیں آپ ان سے اُکتائیں گے نہیں ...... دیگر احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ صحابہؓ کے سوالات پر خفا نہ ہوتے تھے بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے اُن کے جواب دیتے تھے۔‘‘

(انوار العلوم، جلد 1، صفحہ 534، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

حضرت کعب بن مالکؓ کو غزوہ تبوک میں شمولیت نہ کرنے کی وجہ سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہوئی۔ اس واقعہ کو خود ہی کعب نے بیان کیا ہے۔ ایک طویل حدیث ہے۔

’’حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کسی لڑائی میں پیچھے نہیں رہا سوائے غزوہ تبوک کے...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور مسلمانوں نے جنگ کی تیاری شروع کی اور میں بھی ہر صبح جنگ کی تیاری کے مکمل کرنے کے لئے نکلتا تا میں بھی ان کے ساتھ تیار ہو جاؤں مگر پھر لوٹ آتا اور کچھ کام نہ کرتا۔ اسی طرح دن گزرتے رہے اور لوگوں نے محنت سے سامان سفر تیار کر لیا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمان ایک صبح روانہ بھی ہو گئے اور ابھی میں نا تیار تھا۔ پھر میں نے کہا کہ اب میں ایک دو دن میں تیاری کر کے آپ سے جا ملوں گا۔ انکے جانے کے بعد دوسرے دن بھی میں گیا مگر بغیر تیاری کے واپس آ گیا اور اسی طرح تیسرے دن بھی میرا یہی حال رہا اور ادھر لشکر جلدی جلدی آگے نکل گیا۔ میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ جاؤں اور اُن سے مل جاؤں اور کاش میں ایسا ہی کرتا مگر مجھ سے ایسا نہ ہوسکا......کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب یہ خبر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبوک سے لوٹے آ رہے ہیں تو میرا غم تازہ ہو گیا ......کعبؓ کہتے ہیں میں بھی آیا (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناقل) میں نے جب آپؐ کو سلام کیا تو آپ مسکرائے مگر جیسے غصے میں کوئی آدمی مسکراتا ہے پھر فرمایا آؤ، میں گیا۔ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے پوچھا کعب تُو کیوں پیچھے رہ گیا تو نے تو سواری بھی خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا بے شک اگر کسی دنیا دار شخص کے سامنے میں اس وقت بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اُس کے غصے سے

بچ جاتا۔ میں خوش تقریر بھی ہوں مگر خدا کی قسم! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو خوش کرلوں تو کل اللہ تعالیٰ (اصل حقیقت کھول کر) پھر آپ کو مجھ پر غصے کردے گا (اس سے فائدہ ہی کیا ہے) میں سچ ہی کیوں نہ بولوں گو آپ اس وقت سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر غصہ کریں گے مگر آئندہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی مجھ کو اُمید تو رہے گی۔ خدا کی قسم (میں سراسر قصور وار ہوں) زور، طاقت، قوت، دولت سب میں کوئی میرے برابر نہ تھا اور میں یہ سب چیزیں ہوتے ہوئے پیچھے رہ گیا۔ یہ سنکر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کعب نے سچ سچ کہہ دیا۔ کعب اب ایسا کر تو چلا جا جب تک اللہ تعالیٰ تیرے باب میں کوئی حکم نہ اُتارے۔ میں چلا...... آنحضرت ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع کردیا خاص کر ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے...... میرے دونوں ساتھی (مرارہؓ اور ہلالؓ) تو روتے پیٹتے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور میں جوان مضبوط آدمی تھا تو (مصیبت پر صبر کرکے) باہر نکلتا۔ نماز کی جماعت میں شریک ہوتا۔ بازاروں میں گھومتا رہتا مگر کوئی شخص مجھ سے بات نہ کرتا۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آتا آپؐ نماز پڑھ کر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ میں آپ کو سلام کرتا پھر مجھے شبہ رہتا۔ آپؐ نے (مبارک) ہونٹ ہلا کر مجھ کو سلام کا جواب بھی دیا یا نہیں۔ پھر میں آپؐ کے قریب کھڑے ہوکر نماز پڑھتا رہتا اور دُزدیدہ نظر سے آپؐ کو دیکھتا کہ آپؐ کیا کرتے ہیں۔ جب میں نماز میں ہوتا تو مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپؐ کو دیکھتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے...... پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا تو جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا: وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ (التوبہ 118) میرا دل تنگ ہو رہا تھا اور زمین اتنی کشادہ ہونے پر بھی مجھ پر تنگ ہوگئی تھی۔ اتنے میں میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو سلع پہاڑ پر چڑھ کر پکار رہا تھا (یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے) کعب بن مالکؓ خوش ہوجا۔ یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا اور مجھ کو یقین ہوگیا اب میری مشکل دور ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا قصور معاف کردیا۔ اب لوگ خوشخبری دینے میرے پاس اور میرے دونوں ساتھیوں (مرارہؓ اور ہلالؓ) کے پاس جانے لگے۔ ایک شخص (زبیر بن عوامؓ) گھوڑا کداتے ہوئے میرے پاس آئے اور قبیلے کا ایک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا (حمزہ بن عمرو اسلمی) اور پہاڑ کی آواز گھوڑے سے جلد مجھ کو پہنچ گئی۔ خیر جب یہ خوشخبری کی آواز مجھ کو پہنچی میں نے (خوشی میں آن کر) کیا کیا دو کپڑے جو میرے پاس تھے وہ اُتار کر اُس کو پہنا دیئے اس وقت کپڑوں کی قسم سے میرے پاس یہی دو کپڑے تھے اور میں نے (ابوقتادہؓ سے) دو کپڑے مانگ کر پہنے اور آنحضرت ﷺ کے پاس چلا۔ رستے میں فوج در فوج لوگ مجھ سے ملتے جاتے تھے اور مجھ کو مبارکباد دیتے جاتے تھے اور کہتے تھے اللہ کی معافی تم کو مبارک ہو۔ کعب کہتے ہیں جب میں مسجد میں پہنچا۔ دیکھا تو آنحضرت ﷺ بیٹھے ہیں لوگ آپ کے گرد ہیں طلحہ بن عبید اللہؓ مجھ کو دیکھ کر دوڑ کر اُٹھے اور مصافحہ کیا۔ مبارکباد دی۔ خدا کی قسم! مہاجرین میں سے اور کسی نے اُٹھ کر مجھ کو مبارکباد نہیں دی۔ میں طلحہؓ کا یہ احسان کبھی بھولنے والا نہیں۔ کعب کہتے ہیں جب میں نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا میں نے دیکھا آپؐ کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا آپؐ نے فرمایا کعب وہ دن تجھ کو مبارک ہو جو اُن سب دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! یہ معافی اللہ کی طرف سے ہوئی یا آپؐ کی طرف سے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اللہ کی طرف سے ہوئی (اُس نے خود معافی کا حکم اُتارا) آنحضرتؐ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہوجاتا ہم لوگ اس کو پہچان لیتے۔ (انوار العلوم، جلد 1، صفحہ 482 تا 487، سیرۃ النبی ﷺ)

اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے محبت کا پتا چلتا ہے۔ دینی کام میں بشری تقاضا کے تحت تساہل کی وجہ آپؐ محض للہ اُن سے ناراض تو ہوئے اور سزا بھی دی لیکن آپؐ کے دل میں اُن کیلئے محبت کے جذبات موجزن تھے۔ اس محبت کے سفیر کی رحلت قیامت آیات کے موقع پر صحابہ مارے غم کے دیوانہ ہوگئے۔ کیونکہ مومنوں سے حقیقی محبت کا سایہ ہمیشہ کیلئے اُٹھ گیا۔ حضور پاک ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیقرار دل کے ساتھ فرماتے ہیں:

لَمَّا رَأَيْتُ نَبِيَّنَا مُتَجَدِّلًا
ضَاقَتْ عَلَيَّ بِعَرْضِهِنَّ الدُّوْرُ
فَارْتَاعَ قَلْبِي عِنْدَ ذَاكَ لِهُلْكِهِ
وَالْعَظْمُ مِنِّي مَا حَيِيْتُ كَسِيْر
يَا لَيْتَنِي مِنْ قَبْلِ مَهْلَكِ صَاحِبِي
غُيِّبْتُ فِي جَدَثٍ عَلَى صُخُوْر

ترجمہ: جب میں نے اپنے نبی ﷺ کو وفات یافتہ دیکھا تو مکانات اپنی وُسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئے۔ اس وقت آپ ﷺ کی وفات سے میرا دل لرز اٹھا اور زندگی بھر میری ہڈّی شکستہ (یعنی ٹوٹی ہوئی) رہے گی۔ کاش! میں اپنے آقا ﷺ کے انتقال سے پہلے چٹانوں پر قبر میں دفن کردیا گیا ہوتا۔ (المواہب الدنیہ للقسطلانی، جلد 3، صفحہ 394، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ محمد عربی ﷺ نے ہمدردیٔ خلائق میں حد ہی کردی۔ آپکا جذبہ محبت صرف زندوں سے وابستہ نہ تھا بلکہ دیکھیں تو یہ احساس اگلوں پچھلوں کے لئے ہے۔ دل بے قرار ہے تو آنکھیں رواں۔ محبت کے جذبہ سے سرشار بعض دفعہ تو حالت دگرگوں ہوجاتی کہ جس کا خیال کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ ''یعنی کیا تُو اس غم میں اپنے تئیں ہلاک کردیگا جو یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ پس پہلے نبیوں کی اُمت میں جو اس درجہ کی صلاح وتقویٰ پیدا نہ ہوئی اسکی یہی وجہ تھی کہ اس درجہ کی توجہ اور دل سوزی امت کے لئے ان نبیوں میں نہیں تھی۔'' (روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 103 تا 104، حقیقۃ الوحی)

بہرگام یہ سراپا رحمۃ للعالمین تادم واپسیں رحمت ورافت بکھیرتا رہا۔ چنانچہ اسی عملی نمونہ سے تو دُنیا آپ کی گرویدہ ہوئی اور آپ کے صحابہؓ نے تو آپ کی راہ میں کٹنا مرنا گوارا کیا۔ بصد جاں ہر قربانی کیلئے آگے آگے رہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''آپؐ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت اُن میں پھونک دی اور سچے خُدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کردیا۔ وہ خدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور چیونٹیوں کی طرح پیروں میں کُچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔'' (روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 206، لیکچر سیالکوٹ)

لیکن متعصب اور اندھی دُنیا کب گوارا کرے گی کہ اس مقدس ومطہر سید الاولین والآخرین ﷺ کی مدح سرا ہو بلکہ حقائق چھپائے جاتے ہیں لیکن انشاء اللہ وہ دن آئے گا کہ حقیقی اسلام جو احمدیت کی شکل میں قائم ہوچکا ہے ہر سو پھیلے گا اور خوش بخت اس میں آملیں گے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسوانح دُنیا پر آشکارا ہوگی۔ اللہ کرے کہ دُنیا جلد رسول کریم ﷺ کے پیغام کی طرف توجہ کرے آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کما حقہ دعوت الی اللہ کے فریضہ کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

......☆......☆......

ارشاد باری تعالیٰ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

(سورۃ البقرۃ:44)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ

طالب دعا:
محمد رحیم الدین (صدر جماعت احمدیہ بنڈلہ دملّی، ضلع نلگونڈہ)

ارشاد باری تعالیٰ

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (سورۃ البقرہ:149)

ترجمہ: اور ہر ایک کیلئے ایک مطمح نظر ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے
پس نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ

طالب دعا:
محمد رمضان (معلم سلسلہ جماعت احمدیہ کارسرلہ ضلع نلگونڈہ)

سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

عورتوں کے حقوق کے قیام اور ازواج مطہرات سے حسن سلوک کے آئینہ میں

(اقبال احمد نجم آف یو.کے، سابق مبلغ سلسلہ)

اسلام سے قبل عورت کو کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں تھا۔ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں اور ثقافتوں کے مراکز میں عورتوں کی تجارت کی جاتی تھی اور بازاروں میں ان کو بیچا جاتا تھا اور جو شخص اس کو خریدتا تھا وہ اس کا مالک اور آقا سمجھا جاتا تھا چاہے وہ اس کو قتل کر دے کوئی اس سے باز پُرس نہیں کر سکتا تھا۔ یونان، روم، مصر اور ایران اور ہندوستان میں عورت کو کمزور جنس سمجھ کر ہر قسم کے حقوق سے محروم کیا ہوا تھا۔ ہندوستان میں ستی جیسی بہیمانہ رسم رائج تھی جس میں بیوی خاوند کی چتا میں زندہ جل کر مر جایا کرتی تھی۔ عربوں میں باپ خود بچی کی پیدائش پر اسے زندہ قبر میں گاڑ دیتا تھا اور ظالم باپ کو کوئی نہیں پوچھتا تھا کہ اس نے ایک معصوم کی کیوں جان لے لی۔ متمول لاتعداد بیویاں اپنی عیاشی کے لیے رکھتے تھے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بعض حلقوں میں عورت کے ساتھ شادی کرنے اور اس کے ساتھ حسن معاشرت کو روحانیت کے حصول کے منافی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ عیسائیت میں رہبانیت کو اچھا سمجھا جاتا تھا اور عورت سے بے تعلق رہنے کو ہی وہ کمال اور روحانیت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ بدھ مت اور جینی مت اور کئی اور مذاہب کے ماننے والوں میں عورت سے دور رہ کر جوگی اور سادھو بننے کا رواج چل نکلا تھا اور وہ ازدواجی زندگی سے نفرت کرنے کو روح اور اخلاقی ترقی کا ذریعہ سمجھنے لگے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو حضرت حوّا کو بھی ساتھی کے طور پر ساتھ کر دیا تا کہ انسان کی پیدائش کے مقاصد کو دونوں مل جل کر پورا کریں اور اشرف المخلوقات کہلائیں اور عبادت الٰہیہ کو بجا لا کر مظہر الوہیت بھی بنیں اور اُنسان یعنی دواُنس کا بھی پرتو بنیں۔ ایک اللہ کے ساتھ محبت اور دوسری انسانوں کے درمیان پیار اور محبت۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام جیسا عالمگیر مذہب دے کر مبعوث فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَجَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّرَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ (الروم: 21) ترجمہ: اور اس کے نشانوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی ہے اسمیں غور و فکر کرنے والی قوم کے لیے بہت سے نشانات ہیں۔

پھر فرمایا: فَاسۡتَجَابَ لَہُمۡ رَبُّہُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ (آل عمران 196) ترجمہ: پس ان کے ربّ نے ان کی دعا سن لی یہ کہ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کیا جائے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو اور یکساں ہو۔

پھر ایک اور جگہ فرمایا: لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبُوۡا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبۡنَ (النساء: 33) یعنی جو مردوں نے کمایا اس کے متعلق مردوں کا حصہ اور اجر ہے اور جو عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان عورتوں کا اجر اور حصہ ہے۔

پھر فرمایا: وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ (المومن 41) یعنی اور مرد اور عورت میں سے جو بھی نیکی کرے گا اور وہ مومن ہو گا پس یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اس میں انہیں بے حساب رزق عطا کیا جائے گا۔

یا تو وہ وقت تھا کہ عورت کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھا جاتا تھا اور تعلق ازدواج کو روحانیت کے منافی سمجھا جاتا تھا یا پھر یہ ہوا کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام میں ان کو مردوں کے شانہ بشانہ لا کر کھڑا کر دیا۔ اور روحانی ترقی کے حصول کے لیے ان کو بھی برابر کے حقوق عطا فرمائے اور ان کی عزت اور ان کا احترام قائم فرمایا۔ آپ نے بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل تجرد میں نہیں ہے بلکہ تعلق ازدواج میں ہے۔ اخلاق نام ہے حسن معاملہ اور حسن سلوک کا۔ جو کسی کا شوہر نہ ہو جو کسی کی بیوی نہ ہو جو کسی کا باپ نہ ہو جو کسی کی ماں نہ ہو جو کسی کا بھائی نہ ہو اور جو کسی کی بہن نہ ہو اور جس کا کسی سے رشتہ ناطہ نہ ہو، وہ فرائض اور حقوق اور حسن سلوک اور حسن معاملہ کو کیا جانے گا۔ اور تکمیل اخلاق کے لیے اس کو کیا مواقع میسر آئیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے تو تعلق ازدواج سے۔ کیونکہ میاں بیوی عائلی زندگی کے کاؤنٹر پارٹ ہوتے ہیں یہ دو پہیے ہیں جن پر سب بنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے اسکے بارے میں۔ اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِیۡ فَلَیۡسَ مِنِّیۡ (صحیح بخاری و مسلم) یعنی میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں جس نے میرے طریق سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ خدائی نشانوں میں سے ایک نشان ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری ازواج پیدا کی ہیں اور تمہارے درمیان رحمت و مودت رکھ دی ہے۔ پس اگر یہ نہیں ہے تو دونوں کا یا دونوں میں سے کسی ایک کا قصور ہے۔ اس قصور کی اصلاح ہونی چاہئے۔ تا کہ جس غرض یعنی مودت و رحمت کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ تعلقات بنائے ہیں وہ خالص ہو کر اُبھریں۔ بے شک عورت اور مرد کے حقوق تو برابر ہیں مگر ان کی بناوٹ کے لحاظ سے جو الگ الگ ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا ایمان داری کے ساتھ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (النساء: 35) ترجمہ: مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انمیں سے بعض کو بعض پر بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے اموال ان پر خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک عورتیں فرمانبردار اور غیب میں بھی ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں جن کی حفاظت کی اللہ نے تاکید کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّہُنَّ (البقرہ: 188) یعنی عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

اس پوشاک کے پردہ میں بیسیوں معانی پوشیدہ ہیں۔ فرمایا تم ان کے ستر پوش ہو وہ تمہاری ستر پوش ہیں۔ تم ان کی زینت ہو وہ تمہاری زینت ہیں۔ تم ان کی خوبصورتی ہو وہ تمہاری خوبصورتی ہیں۔ تم ان کی تکمیل کا ذریعہ ہو اور وہ تمہاری تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ یہی نکاح کی اغراض ہیں اور انہی اغراض کو پورا کرنا حقوقِ زوجین کو ادا کرنے کے مترادف ہے۔

ایک مشہور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خَیۡرُکُمۡ خَیۡرُکُمۡ لِاَھۡلِہٖ وَاَنَا خَیۡرُکُمۡ لِاَھۡلِیۡ (ابن ماجہ، کتاب النکاح) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہے اور سنو کہ میں تم میں سے اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

ایک صحابی بڑے عابد و زاہد تھے لیکن وہ اپنی بیوی کی طرف ذرہ بھی متوجہ نہیں تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ حال سنا تو ان کو بلوا کر فرمایا وَلِزَوۡجِکَ عَلَیۡکَ حَقًّا (بخاری کتاب النکاح) یعنی تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ ایک موقع پر ایک شخص نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو خود کھاؤ وہ اس کو کھلاؤ۔ جیسا خود پہنو ویسا ہی اس کو پہناؤ۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارو، نہ اس کو برا بھلا کہو اور نہ گھر کے علاوہ اس کو سزا کیلئے اپنے سے علیحدہ کرو۔

(ابن ماجہ، کتاب النکاح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی مجھے آگے سے برابر کا جواب دیا۔ پھر آپ کہنے لگے کہ دراصل ہم اسلام سے قبل عورتوں کو

کسی شمار و قطار میں نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے ان کے بارہ میں احکامات دیئے اور ان کے حقوق مقرر کیے۔ (صحیح بخاری)

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ: 228) عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کہ وہ پسلی کی طرح ہیں جن میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے اور لچک بھی اگر اس سے اسی طرح کام لے سکو تو بہتر ورنہ سیدھا کرنے کی فکر کرو گے تو اس کو توڑ ڈالو گے۔ (بخاری و مسلم، کتاب النکاح)

دراصل قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ اس کی تشریح ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النسا: 20) اور اُن سے نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو اور اگر تم اُنہیں ناپسند کرو تو عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی تربیت اپنے نمونہ اور حسن معاشرت کے ذریعہ سے فرمائی تھی اور انکو امہات المومنین کے درجہ تک پہنچایا تھا۔ اس نقطہ نظر سے بھی دیکھنے کی بات ہے کہ آپ نے کیا کیا طریق اختیار کیے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اول حضرت خدیجہؓ تھیں۔ آپ مکہ کی ایک تاجر خاتون تھیں اور باحیثیت خاتون ہونے کی وجہ سے مکہ کے کئی باحیثیت افراد آپ کو اپنی زوجیت میں لینے کیلئے تیار تھے۔ آپؓ نے اپنا مال تجارت مکہ کے دستور کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ممالک غیر میں بھجوایا اور ساتھ اپنے غلام کو کر دیا تھا۔ واپسی پر آپ منافع کثیر لے کر لوٹے تھے اور آپ کے غلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا ذکر حضرت خدیجہؓ سے کیا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سلسلہ جنبانی شروع کیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بزرگوں سے مشورہ کے بعد یہ نکاح کر لیا۔ آپ کی عمر آنحضرت ﷺ سے زیادہ تھی اور آپ بیوہ بھی تھیں لیکن آپ کی زوجیت میں آ کر آنحضرت ﷺ کو آپ نے خوب پہچانا۔ 15 سال کی اسی رفاقت کے بعد

آنحضرت ﷺ کو جب نبوت پر سرفراز کیا گیا اور حضرت جبرئیل آپ پر نازل ہوئے تو جو کچھ آپ نے آپ کی تسلی کیلئے فرمایا وہ سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے۔ اور یہ آپ کے 15 سالہ تجربہ کا نچوڑ بھی تھا۔ آپ نے فرمایا: كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ یعنی خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رُسوا نہیں ہونے دے گا۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، جو خوبیاں معدوم ہو چکی ہیں ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں، ضروریاتِ حقہ میں لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ عورتوں میں سے سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہوئیں اور انہی کی تکمیل میں آپ کے ساتھ کوشاں رہیں۔ آپؓ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے اور بھی کئی نکاح کیے۔ ان میں سے ایک حضرت عائشہ بھی تھیں جو نوجوان اور آپ کے دوست حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عائشہ فرمانے لگیں آپ کیوں اس بُڑھیا کا ذکر کرتے رہتے ہیں جبکہ آپکو اللہ تعالیٰ نے ان سے اچھی بیویاں دے دی ہیں جن میں نوجوان بھی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہ نے میری تصدیق کی۔ جب میرا کوئی مددگار نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔ اور ان سے اللہ نے مجھے اولاد بھی دی۔ پس کیوں نہ میں انہیں یاد کروں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک متموّل خاتون تھیں۔ اپنی دولت سے سب سے زیادہ اسلام کو فائدہ پہنچایا۔ اس زمانہ میں غلام بڑی دولت ہوتے تھے۔ آپکے ادنیٰ سے اشارے پر آپؓ نے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا اور اپنی تمام دولت غربا، مساکین اور یتامیٰ اور ضرورتمندوں پر خرچ کر ڈالی۔ گویا آپ نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا نمونہ پیش فرمایا۔ ایک دولت مند سے غریب ہو گئیں۔ آپ نے یہ سب کچھ آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر کیا اور اسلام کے درسِ مساوات کو سن کر کیا اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا تو قرب خداوندی کیلئے کیا۔ وہ آپ کی راہ میں فدا تھیں۔

جب مدینہ میں اموال غنیمت آنے شروع ہوئے تو آپ کی بعض ازواج مطہرات نے اپنی کچھ ضروریات کا آپؐ سے ذکر کیا۔ آپؐ ان کو بھی حضرت خدیجہ کی طرح بلند روحانی مقام پر دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر نظر کی اور ان کی تربیت روحانی کی خاطر ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (سورۃ الاحزاب 29 تا 30) یعنی اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مالی فائدہ پہنچاؤں اور عمدگی کے ساتھ تمہیں رخصت کروں۔ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور آخرت کے گھر کو تو یقیناً اللہ نے تم میں سے حسن عمل کرنے والیوں کیلئے بہت بڑا اجر تیار کیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ ازواج تک پہنچا کر ایک ماہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی اور انہیں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ اور انہیں اپنے والدین سے بھی مشورہ کرنے کو کہا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جسکی وجہ سے آپ کے بدن مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور پوچھنے لگے کہ کیا حضور نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ آپ نے بتایا نہیں۔ حضرت عمر نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضور کیلئے گدیلا تیار کیا جائے اور کہنے لگے کہ قیصر و کسریٰ کے لیے تو سب آرام ہیں مگر حضور کے لیے کچھ بھی نہیں۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال تو مسافر کی سی ہے کہ گھڑی دو گھڑی ستانے کے لیے ٹھہر جاتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے پھر اسے اس دنیا سے پیار ہی کیا کرنا۔

29 ویں دن حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج کے پاس گئے اور ان کا جواب پوچھا۔ تمام ازواج نے اللہ اور اللہ کے رسول کو اختیار کیا اور دنیا کی دولت پر لات ماردی۔ یہ تھے آپ کے اپنی ازواج کی تربیت کے انداز۔

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے ساتھ دلجوئی کے جو طریق اختیار فرمائے تھے وہ بھی عدیم المثال ہیں۔ ترمذی حدیث کی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ آنحضرت صلی ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے حفصہؓ نے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ آپ نے فرمایا تم تو نبی کی بیٹی ہو اور تمہارے چچا بھی پیغمبر ہوئے ہیں اور پیغمبر کے نکاح میں تم ہو۔ حفصہ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے۔ اسی واقعہ کی دوسری روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہیں اور تم سے زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بھی۔ حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا اور آنحضرت ﷺ سے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیوں کر معزز ہو سکتی ہو میرے شوہر محمد، میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھ کر اِدھر اُدھر ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا تعالیٰ آپ کو خنداں ہی رکھے، کیوں ہنسے؟ فرمایا ان عورتوں پر تعجب ہوا ہے کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی آڑ میں چھپ گئی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا، اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت ﷺ سے نہیں ڈرتی۔ سب نے کہا تم بہت سخت مزاج ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں ہیں۔

پس یہی وہ لطف و کرم اور خوش مزاجی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بھی یوں فرمایا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: 160) یعنی پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کیلئے نرم ہو گیا۔ اور اگر تُو تُند خُو (اور) سخت دل ہوتا تو ضرور وہ تیرے گرد سے دُور بھاگ جاتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں پیارے آقا سیّدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆

تقریر جلسہ سالانہ قادیان

سیرت حضرت سلمان فارسی و امام حسین رضی اللہ عنہما

(اسفندیار منیب، انچارج شعبہ تاریخ احمدیت، ربوہ)

نوٹ: یہ مضمون مکرم اسفندیار منیب صاحب انچارج شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ کی تقاریر جلسہ سالانہ قادیان 2014 اور 2017 سے لیا گیا ہے، جن میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی سیرت وسوانح بیان کی ہے۔ اس جگہ اخبار بدر کے ''سیرت النبی نمبر'' کی مناسبت سے صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی سیرت شامل کی گئی ہے۔ (ایڈیٹر)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ:100)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ○ (الواقعہ:40 تا41)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے سبقت لے جانے والے اوّلین اور وہ لوگ جنہوں نے حسنِ عمل کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کیلئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں۔ یہ بہت عظیم کامیابی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اسی مقدس گروہ کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ اولین میں بھی ہوگا اور آخرین میں بھی۔ انہی پاک اصحاب کے بارہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِي اَصْحَابِي (جامع الترمذی)

یعنی میرے صحابہ فنافی اللہ ہو گئے ہیں اور ان کے اندر خدا ہی خدا ہو گیا ہے۔

خاکسار کی آج کی معروضات انہی اولین وآخرین کے درخشندہ ستاروں یعنی حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانیؓ کی سیرت وسوانح سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا تعلق ایران کے شہر اصفہان سے تھا۔ آپ ایک آتش پرست گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام مابہ تجویز کیا اور دنیا کے لھو ولعب سے بچانے کیلئے یہ طریق اختیار کیا کہ ایک لمبی عمر تک آپ کو گھر کے دیوار و در سے باہر جانے کی اجازت نہ دی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ جب رحمت ازلی کشاں کشاں آپ کو صراطِ مستقیم پر لانے لگی۔ چنانچہ ایک دن آپ گھر سے باہر نکلے تو ایک کنیسہ دیکھا جس میں لوگ عبادت کر رہے تھے۔ یہ منظر آپ کی سعادت مند طبیعت کو بہت بھایا اور آتش کدوں میں آگ پرستی کی بجائے یہ نظارہ حق کے زیادہ قریب لگا۔ جب اس کا ذکر گھر آ کر کیا تو والدین کیلئے یہ قیامت سے کم نہ تھا کہ ان کا لختِ جگر آتش کدوں سے نکل کر کسی دوسری راہ کو اختیار کر لے۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ آپ کو گھر میں قید کر کے اپنا ہم خیال بنا لیا جائے لیکن جو لوگ حق کو دیکھ لیتے ہیں ان کو کب زنجیروں سے مقید کیا جا سکتا ہے! ہاں جسم تو اسیر ہو سکتے ہیں لیکن روحیں پابہ زنجیر نہیں ہو سکتیں۔ پس آپ خدا کی محبت پانے کیلئے بے قرار ہو کر ہر رشتے کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ پھر یوں ہوا کہ ایک شام جب آپ پابند سلاسل تھے، نصاریٰ کی طرف سے پیغام ملا کہ ملک شام کے کچھ تاجر واپسی کی راہ لینے والے ہیں۔ یہ پیغام سن کر رات کو اپنی سب زنجیریں کاٹ کر چھپتے چھپاتے اس قافلہ کے ساتھ ہو لئے۔ کئی دنوں کے بعد جب ملک شام پہنچے تو وہاں کے اُسقُف اعظم کے پاس رہنے لگے۔ پھر علم میں آیا کہ بظاہر نیک نظر آنے والا یہ شخص درحقیقت دنیا پرست اور حرص وآز کا بندہ ہے۔ لیکن اس کے مرنے پر جو نیا پادری منتخب ہوا وہ نیک اور شریف آدمی تھا جسے دنیا داری سے کچھ غرض نہ تھی۔ پھر آپ اس پادری کے ساتھ رہنے لگے۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو پوچھا کہ آپ تو مجھے چھوڑے جاتے ہیں لیکن یہ تو بتا جائیں کہ آپ کے بعد میں کس شخص کی خدمت کروں۔ اس نے یہ سن کر کہا کہ موصل چلے جانا۔ چنانچہ آپ موصل پھر نصیبین اور عموریہ کے بعض بزرگان کی خدمت میں رہے۔ جب عموریہ کے بزرگ کا آخری وقت آ پہنچا تو آپ نے ان سے کسی اور مردِ صالح کا پتا پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اب اس دین کی سچی پیروی کرنے والا کوئی شخص موجود نہیں۔ ہاں سرزمین عرب میں ایک نبی کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے جو اپنی بعثت کے بعد ایسے مقام کی طرف ہجرت کرے گا جہاں کثرت کے ساتھ کھجور کے درخت ہوں گے اور اس کی تین علامات ہونگی۔ ایک یہ کہ وہ صدقہ نہیں کھائے گا۔ دوسری یہ کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور تیسری یہ کہ اس کے کاندھوں کے درمیان مہر کی طرح کا ایک نشان ہو گا۔ یہ آپؓ کی زندگی کا ایک انقلاب آفرین لمحہ تھا، جب آپؓ کو اپنی حقیقی منزل کا سراغ دکھائی دینے لگا۔ آپ بے چین و بے قرار ہو گئے کہ کسی طرح جلد سے جلد ملک عرب پہنچ جائیں اور اس عظیم الشان نبی کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر محبوب حقیقی کو پا سکیں۔ چنانچہ آپ سرزمین عرب کا ارادہ کئے ایک قبیلہ کلب کے ہمسفر ہوئے اور ان کو معاوضہ میں اپنا سب مال ومتاع دے دیا تا کہ دیارِ حبیب کا دیدار کر سکیں۔ لیکن جب یہ قافلہ وادی القریٰ میں پہنچا تو ظالموں نے آپؓ کو ایک یہودی کے ہاتھوں بیچ دیا اور یوں ایک جاگیردار اور معزز گھرانے کا فرزند ایک یہودی کا زر خرید غلام بن گیا۔ دیکھئے یہ کیسی سچی جستجوئے حق ہے کہ جس کیلئے آپؓ نے پہلے اپنے والدین اور گھر بار کے عیش وآرام کو قربان کر دیا اور پھر اپنی آزادی کو!

بعد ازاں اس یہودی نے آپؓ کو مدینہ کے رہنے والے اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں بیچ دیا۔ جب مدینہ آئے تو آپ کو لگا کہ یہ وہی جگہ جہاں میرا گوہر مقصود اور خدا کا محبوب آنے والا ہے۔ اسی دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مولد ومسکن مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی نواحی بستی قباء میں قیام فرما ہوئے۔ جس کے تھوڑے ہی فاصلہ پر بنو قریظہ کا وہ نخلستان تھا جس میں حضرت سلمان فارسیؓ بطور غلام کام کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں باغ میں کھجوریں توڑ رہا تھا کہ میرے آقا کا ایک رشتہ دار تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آیا اور انصاری قبائل کو بُرا بھلا کہتے ہوئے بولا کہ وہ سب لوگ وادیٔ قباء میں ایک ایسے شخص کے گرد جمع ہو گئے ہیں جو خود کو نبی کہتا ہے اور آج ہی مکہ سے یہاں پہنچا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ اس شخص سے ان فقرات کا سننا تھا کہ میں خوشی سے دیوانہ ہو گیا اور مارے اشتیاق کے میرے پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ میں کیا کروں اور دل کی حالت کسے بتاؤں۔ جلدی سے میں نیچے اترا اور اس شخص سے پوچھا کہ بتاؤ تو سہی تم کیا کہہ رہے تھے۔ میرے مالک نے میرا اضطراب وشوق دیکھ کر مجھے تھپڑ مارا اور کہا تم جاؤ اور اپنا کام کرو، تمہیں ان باتوں سے کیا غرض ہے۔

حاضرین کرام! اب حضرت سلمان فارسیؓ کی زندگی کا وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس کی تلاش میں آپ نے اپنی زندگی صرف کر دی اور جس کی خاطر قریہ قریہ خاک چھانی تھی۔ آپ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک خوردنی چیز لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ خدا کے نیک بندے ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ غریب ساتھی ہیں، یہ صدقہ لے کر حاضر ہوا ہوں مجھے خوشی ہوگی اگر آپ قبول کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھانا اصحاب کو دے کر فرمایا کہ تم کھاؤ، لیکن خود کچھ نہ کھایا، یہ پہلی علامت دیکھ کر حضرت سلمان فارسیؓ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ گویا ایک جاں بلب شخص کے ہونٹوں پر قطراتِ حیات ٹپکے تھے۔ لیکن ابھی دوسری اور تیسری علامت باقی تھی۔ پھر ایک دن کھجوروں کا تھال لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور میں یہ ہدیہ لایا ہوں، اسے قبول کر کے اس غلام کو شادکام فرمائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تحفہ قبول فرما لیا، خود بھی کھایا اور صحابہ کو بھی کھلایا۔ آخری علامت کی شناخت کا سبب یوں بنا کہ ایک صحابی حضرت کلثوم بن الہدم انصاری وفات پا گئے۔ جب جنت البقیع میں ان کی تدفین ہو رہی تھی تو حضرت سلمان فارسیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر موجود چادروں میں تیسری علامت کی تلاش میں کوشاں تھے کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر سرکی اور دو کاندھوں کے درمیان مہر نبوت نظر آ گئی، یہ دیکھ کر فرط مسرت اور جوش عقیدت سے حضرت سلمان فارسیؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ آپؓ رسول

کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زار و قطار رونے اور دست مبارک چومنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ سے اس حالت زار کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپؓ نے اپنی وہ دردبھری داستان سنائی جسے خاکسار آپ کے سامنے پیش کر آیا ہے۔

حاضرین کرام! آپؓ کا یہودی آقا آپؓ کے ایمان لانے کے بعد سخت مخالف ہو چکا تھا اسی وجہ سے آپؓ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شامل نہ ہو سکے۔ بالآخر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مالک سے مکاتبت کر کے آزادی حاصل کرلو۔ جس پر بہت بحث کے بعد مالک نے کھجور کے تین سو درختوں کا باغ لگانے اور چالیس اوقیہ سونا دینے پر آزادی کی ضمانت دے دی۔ پھر صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر تین سو گڑھے کھودے اور آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کھجور لگائے اور اسی طرح 40 اوقیہ سونا بھی عطا فرما دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے لگائے گئے تین سو پودوں میں سے ایک بھی ضائع نہ ہوا۔ آزادی کے بعد مواخات کرتے ہوئے آپؓ کو حضرت ابو درداءؓ کا دینی بھائی بنادیا گیا اور آپ اصحاب صفہ میں بھی شامل ہو گئے جس کی وجہ سے آپؓ کو اپنے محبوب کی صحبت و قربت بھی حاصل ہو گئی اور علم دین سے آگاہی بھی ہوتی رہی۔ 5 ہجری میں جب احزاب عرب نے مدینۃ النبی پر حملہ کیا تو رسول کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے مدینہ منورہ کے ایک طرف چوڑی خندق کھودنے کا ارشاد فرمایا۔ جب کفار کا لشکر جرار مدینہ پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے سامنے طویل و عریض خندق ہے جسے عبور کرنا ان کے بس میں نہیں ہے کیونکہ دفاع کے اس طریق سے اہل عرب بالکل بے خبر تھے۔ پھر ایک رات خدا کی طرف سے تیز آندھی اور سخت طوفان نے آلیا۔ مٹی، ریت اور کنکروں کی بارش نے کفار کے لشکر کو تہہ و بالا کر دیا اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

جنگ خندق کے موقع پر ہی رسول کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ (المستدرک للحاکم) کہہ کر اپنے اہل بیت میں شامل فرمانے کا اعلان کیا اور اس طرح اہل ایمان کو یہ پیغام دیا کہ

اس کی آل وہی جو اس کے نقش قدم پر جائے
صرف ذات کی ہم نے آل سادات نہیں دیکھی

سامعین کرام! حضرت سلمان فارسی ایک شب بیدار عابد و زاہد تھے قرب رسول سے اس قدر مشرف تھے کہ رات گئے تک خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ قلیل پر کفایت کرنے والے، دین کی خاطر مصائب برداشت کرنے والے، بغیر صلہ کے مشقت جھیلنے والے، آخرت کیلئے ذخیرہ کرنے والے، بے انتہا حکمت کے مالک اور ایک صاحب علم سالک تھے۔

رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عراق تشریف لے گئے اور سب سے پہلے بویب کے معرکہ میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد 14 ہجری میں جنگ قادسیہ میں حصہ لیا پھر 16 ہجری میں مسلمانوں کے ہمراہ ایرانی حکومت کو تہہ و بالا کرتے ہوئے مدائن بھی فتح کر لیا۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا گورنر مقرر کیا تو نہایت احسن رنگ میں اس عظیم ذمہ داری کو ادا کیا۔ گورنر ہونے کے باوجود بوریاں بُن کر اور ٹوکریاں بنا کر اپنا گزارا کیا کرتے تھے۔ یہاں کچھ عرصہ کے بعد آپؓ نے بنی کندہ کے ایک گھرانے میں بقیرہ نامی ایک نیک اور پاک طینت خاتون سے شادی کر لی جن سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے 35 ہجری کے قریب مدائن میں وفات پائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدائن میں ہی تدفین ہوئی۔ آج بھی آپ کے مزار کا علاقہ سلمان پاک کے نام سے موسوم ہے۔

بے شک آپ کا وجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی زندہ تصویر تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سچی محبت، عشق اور اس سے ملنے کی تڑپ ہی تھی جس نے آپؓ کو دشت و صحرا کی سیاحی پر مجبور کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پرخطر
عشق ہے جو سر جھکا دے زیر تیغ آبدار

آپ کی جستجو حقیقی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سچی طلب کو رائیگاں نہ جانے دیا اور آخر آپؓ کو اس مقدس نبی کے قدموں میں لا ڈالا جو سب نبیوں کا سردار تھا اور پھر آپ نے بھی ایسی کامل غلامی اختیار کی کہ ترقی کرتے کرتے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں شمار ہونے لگے۔

حاضرین کرام! سلمان منا اہل البیت کا لقب پانے والے اس مقدس وجود کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (الجمعۃ:4) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ (بخاری کتاب التفسیر) کہ اگر ایمان ثریا پر بھی اٹھ گیا تو بھی ان میں سے ایک رجل فارس اس کو واپس لے آئے گا۔

اس پیشگوئی کے مطابق قادیان کی اس مقدس بستی میں مبعوث ہونے والے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام ہی وہ رجل فارس ہیں جو ایمان کو ثریا سے زمین پر کھینچ لائے، جو آہوئے گم گشتہ کو پھر سوئے حرم لے آئے، جو آفتاب صداقت بن کر آئے اور تاریک دلوں کو روشن کر گئے۔ چنانچہ آپؑ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:

مسیح وقت اب دنیا میں آیا
خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس زمانہ میں جس میں ہماری جماعت پیدا کی گئی ہے کئی وجوہ سے اِس جماعت کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشابہت ہے۔ وہ معجزات اور نشانوں کو دیکھتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے دیکھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں اور تازہ بتازہ تائیدات سے نور اور یقین پاتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے پایا۔ وہ خدا کی راہ میں لوگوں کے ٹھٹھے اور ہنسی اور لعن طعن اور طرح طرح کی دل آزاری اور بدزبانی اور قطع رحم وغیرہ کا صدمہ اُٹھا رہے ہیں جیسا کہ صحابہ نے اٹھایا۔ وہ خدا کے کھلے کھلے نشانوں اور آسمانی مددوں اور حکمت کی تعلیم سے پاک زندگی حاصل کرتے جاتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے حاصل کی۔ بہتیرے ان میں سے ہیں کہ نماز میں روتے اور سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم روتے تھے۔ بہتیرے اُن میں ایسے ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں اور الہام الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے۔ بہتیرے اُن میں ایسے ہیں کہ اپنے محنت سے کمائے ہوئے مالوں کو محض خدا تعالیٰ کی مرضات کے لئے ہمارے سلسلہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خرچ کرتے تھے۔ اُن میں ایسے لوگ کئی پاؤ گے کہ جو موت کو یاد رکھتے اور دلوں کے نرم اور سچی تقویٰ پر قدم مار رہے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت تھی۔ وہ خدا کا گروہ ہے جن کو خدا آپ سنبھال رہا ہے اور دن بدن اُن کے دلوں کو پاک کر رہا ہے اور ان کے سینوں کو ایمانی حکمتوں سے بھر رہا ہے اور آسمانی نشانوں سے اُن کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کو کھینچتا تھا“

(روحانی خزائن، جلد 14، ایام الصلح صفحہ 306)

......☆......☆......☆......

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا

(سورۃ الاحزاب:24)

ان مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے جس بات پر اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔ پس ان میں سے وہ بھی ہے جس نے اپنی منّت کو پورا کر دیا اور ان میں سے وہ بھی ہے جو ابھی انتظار کر رہا ہے اور انہوں نے ہرگز (اپنے طرز عمل میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔

حاضرین محترم! خاکسار کی معروضات اسلام کے دور اوّلین و آخرین کے دو ایسے پاکبازوں کے دلگداز تذکرہ سے معطر ہیں جو مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کی عملی تصویر ہیں۔ ان میں سے پہلے مظلوم کربلا حضرت امام حسینؓ اور دوسرے شہید کابل حضرت مولوی عبدالرحمن صاحبؓ ہیں جن کے بہتے ہوئے لہو نے وہ چراغ روشن کیے ہیں جو تا ابد جلتے رہیں گے اور کوئی باد سموم یا سیل تند انہیں بجھا نہ سکے گا اور عاشقان حق ان محبوبان الٰہی کی روش پر چلتے ہوئے ہر کربلا سے سرخرو اور ہر کابل سے سربلند ہو کر نکلیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

حاضرین محترم! مظلوم کربلا، سید الشہداء، نواسہ رسول، لخت جگر فاطمہ و علی حضرت امام حسینؓ کی ولادت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام فضل نے ایک رویائے صادقہ میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا ان کی گود میں آن گرا ہے۔ اس پر مخبر صادق نے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم

اسے گودلوگی۔

چنانچہ تعبیر کے عین مطابق بستان نبوی میں 5 شعبان 4 ہجری کو ایک ایسا پھول کھلا جس کی خوشبوحق وصداقت، جرأت وبسالت، عزم و استقلال، ایمان وعمل اور ایثار ووفا کی وادیوں کو ابدالآباد تک معطر رکھے گی۔

اس ولادت کی خبر سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔نو مولود کو بازوؤں میں لے کر پیار کیا اور اپنے دہن مبارک میں نرم کر کے ایک کھجور کو بطور گھٹی دیا۔ پھر کانوں میں اذان دے کر توحید ورسالت کا پیغام پہنچایا اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو بچہ کا عقیقہ کرنے، سر کے بال ترشوانے اوران کے برابر چاندی صدقہ کر دینے کا ارشاد فرمایا۔آپ نے اس نو مولود کو حسین کا نام دیا۔جو بعدازاں طیب، زکی، شہید، رشید اور شبیر کہلایا۔ سیدنا حسین بہت خوبصورت تھے اور شکل وصورت میں ایک گونہ اپنے محترم نانا سے مشابہت کا شرف رکھتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت محبت وشفقت اور نازونعم سے ان کی پرورش فرمائی۔کبھی آغوش شفقت میں لیے ہوئے نکلتے توکبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے۔کبھی سینہ سے لگائے ہوئے پھرتے اور کبھی پشت مبارک پر بٹھا کر جھولا جھلاتے۔ ایک بار آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت حسن وحسین اپنے ننھے قدموں سے گرتے پڑتے مسجد میں آ پہنچے۔ان کی اس معصوم طرز وادا کو دیکھ کر آپ منبر سے اترے اوران کو اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔اسی طرح ایک بار آپ سجدہ ریز تھے کہ حسین آئے اور آپ کے اوپر بیٹھ گئے۔آپ نے بھی سجدہ طویل کر دیا اور جب تک یہ معصوم سوار نیچے نہ اترا، آپ نے سر نہ اٹھایا۔آپ ہمیشہ ان کیلئے دعا گو رہتے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا (ترجمہ: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھنا)

حضرت حسین ابھی سات سال کے ہی تھے کہ اپنے مشفق ومحسن نانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے اور اس کے چند ماہ بعد مادر مہربان حضرت فاطمہؓ کی آغوش محبت بھی نہ رہی۔بچوں میں ایسے جانگسل صدمات کے اثرات سے حاضرین ناواقف نہ ہوں گے لیکن محض فضل خداوندی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعاؤں اور حضرت فاطمہ کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے طفیل آپ کی شخصیت نہایت توازن اور اعتدال پر قائم رہی۔ بعدازاں آپ نے ان اصحاب کبار سے بھی کسب فیض کیا جو دبستان محمدؐ کے تعلیم و تربیت یافتہ تھے اوران عرش نشینوں کے فیض صحبت نے امام عالی مقام کو اس قدر صیقل کر دیا کہ آپ کی قوت ادراک واستدلال اور ذہانت و فطانت اپنے ہمعصروں میں بے نظیر ویکتا نظر آتی ہے۔ چنانچہ ابھی آپ کم عمر ہی تھے کہ ایک مجلس میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ سے سوال ہوا کہ عقل مند کون ہے۔تو آپ نے اجازت پا کر حدیث نبوی کی روشنی میں جواب دیا کہ اَلْعَاقِلُ مَنْ عَقَلَ لِسَانَہٗ اِلَّا عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی عاقل وہ ہے جو اپنی زبان سے ذکر الٰہی کے سوا اور کچھ نہ کہے۔ یہ علم ومعرفت اور رفعت تخیل دیکھ کر سب اہل محفل حیرت زدہ رہ گئے۔

پھر ابھی بچے ہی تھے کہ ایک نو مسلم اَعرابی کو وضو کرنے میں غلط پایا، تو اسے درست طریقۂ وضو سکھانے اور شرمندگی سے بچانے کیلئے اپنے بڑے بھائی حضرت حسن سے کہنے لگے کہ میں وضو کرتا ہوں آپ جہاں غلطی دیکھو وہاں درستگی کر دینا۔اس طرح آپ نے نہایت حکیمانہ طرز پر اس اعرابی کو درست وضو کرنا سکھا دیا۔ دیکھئے حضرت حسین کس قدر زیرک و دانا ہیں، کس قدر دوسروں کی عزت نفس کا خیال ہے اور پھر طبیعت میں کتنا عجز وانکسار ہے۔

حاضرین کرام! حضرت حسین نے جہاں اپنے بزرگ آباء سے دیگر خصائل حسنہ اور فضائل جمیلہ اکتساب کیے، وہاں جوہر شجاعت بھی ورثہ میں پایا کہ آپ اشجع الشُّجعان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے اور حامل ذوالفقار حضرت علی المرتضیٰ کے صاحبزادے تھے۔ چنانچہ جب دور خلافت ثالثہ میں مدینۃ النبی پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا تو یہ حسن وحسین ہی تھے جو حضرت عثمان غنیؓ کی حفاظت کے لئے قصر خلافت کے دروازے پر ننگی تلواریں لے کر کھڑے رہے۔

حضرت حسین نے حضرت ابوبکر وعمر اور اور عثمان وعلیؓ کی بیعت کا شرف بھی پایا۔ حضرت علی کے ساتھ کوفہ ہجرت کی اوران کے دست راست رہے۔ پھر شہادت علی کے بعد جب حضرت حسن نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کر لی تو آپ جوار رسول میں رہنے کے لئے کوفہ سے مدینہ واپس آ گئے۔آپ ایک عابد شب بیدار تھے۔نماز تہجد میں بہت آہ وزاری کرتے، بکثرت نوافل پڑھتے اور دعاؤں میں مصروف رہتے۔یتیموں اور مسکینوں کی پرورش کرتے۔ضعیفوں اور بیواؤں کی مدد کرتے۔کسی سوالی کا سوال رد نہ کرتے اور راہ مولیٰ میں بکثرت مال خرچ کرتے۔غرض آپ ایمان واخلاق، استقامت وشجاعت، تقویٰ وطہارت اور محبت الٰہی سے معمور ایک ذکی وطیب وجود تھے۔ اور آپ اپنے ان اوصاف حمیدہ اور صفات جمیلہ کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک نہایت معتبر اور قابل احترام مقام رکھتے تھے۔

حاضرین کرام! سن 51 ہجری میں حضرت امیر معاویہ نے اپنے بعد انتظام وانصرام سلطنت کے لیے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اس کی آئندہ خلافت وامارت کی ابھی سے بیعت کر لیں۔ حضرت حسین نے اس طریق کو طریق انتخاب خلفاء کے برخلاف پا کر بیعت کرنے سے اعراض فرمایا۔ اس کے بعد 22 رجب 60 ہجری کو حضرت امیر معاویہ وفات پا گئے اور یزید تخت نشین ہوا۔یزید نے حضرت حسین کو ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے ذریعہ بیعت کا پیغام بھیجا تو آپ نے ولید سے فرمایا کہ جب تم مجمع عام میں یہ معاملہ رکھو گے تو پھر مجھ سے بیعت کا مطالبہ کرنا۔اس پر ولید کے ہمراہ بیٹھے، والیٔ مدینہ مروان نے کہا کہ حسین کو گرفتار کر لو اور اس وقت تک یہ تمہارے گھر سے باہر نہ جائیں جب تک بیعت نہ کر لیں یا قتل نہ کر دیئے جائیں۔یہ دیکھ کر آپ کو حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا اور آپ اسی رات مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔

ادھر اہل کوفہ کو جو یزید کی بیعت پر آمادہ نہ تھے جب اس امر کی خبر ملی تو ان لوگوں نے 20 ہزار کے قریب خطوط آپ کی خدمت میں لکھے۔جس میں ایک ہی مضمون تھا کہ اس وقت کوئی ہمارا امام وپیشوا نہیں ہے۔پس آپ ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرمائیں، ہم سب آپ کے مطیع وفرمانبردار ہوں گے۔ان خطوط سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ ابھی عالم اسلام میں یزید کی حکومت پوری طرح قائم نہ تھی کیونکہ نہ تو کوفہ وعراق کے لوگ اس کی بیعت پر آمادہ تھے اور نہ ہی مدینۃ النبی کی مرکزی اور موثر آواز پوری طرح یزید کی ہمنوا تھی۔اور یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ ان حالات میں یہ انارکی پھیل کر عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔مزید یہ امر بھی تھا کہ یزید جس طرز خلافت کا مدعی تھا وہ خلاف اسلام تھی۔

چنانچہ حضرت حسین نے اپنے چچازاد مسلم بن عقیل کو کوفہ کے اصل حالات کا جائزہ لینے بھیجا۔جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو لوگ جوق در جوق بیعت وملاقات کے لئے آنے لگے۔آپ نے یہ دیکھ کر حضرت حسین کو لکھا کہ ہزاروں اہل کوفہ بیعت کر چکے ہیں۔سب لوگ آپ کی خلافت وامامت کے طلبگار، وفاشعار اور جانثار ہیں۔اس لیے بلا توقف تشریف لے آئیں۔چنانچہ عالم اسلام کو انارکی سے بچانے اور نظام خلافت کی عزت وحرمت کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت حسین 8 ذوالحجہ 60 ہجری کو مع اہل وعیال مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

یہ سب اطلاعات جب یزید کو ملیں تو اسے خطرہ لاحق ہوا کہ عنان اقتدار ہاتھ سے نہ نکل جائے چنانچہ اس نے فوری طور پر حضرت نعمان بن بشیر جیسے نرم خو کی بجائے ایک سخت گیر شخص عبیداللہ بن زیاد کو والی کوفہ مقرر کر دیا۔ جس نے آتے ہی پکڑ دھکڑ اور سزا دہی کے ذریعہ ایک خوف ودہشت کی فضا قائم کر دی۔ اور پھر ڈھونڈ کر حضرت مسلم بن عقیل کو بمع بعض اعوان وانصار نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔

جب حسینی قافلہ کو مقام ثعلبیہ پر اس دردناک واقعہ کی خبر ملی تو سب گہرے رنج وغم میں ڈوب گئے اور پیش قدمی رک گئی۔حضرت حسین نے اپنے ہم رکابوں سے فرمایا کہ ان حالات میں تم میں سے اگر کوئی واپس جانا چاہے تو راستہ کھلا ہے اور میری طرف سے اس پر کوئی الزام نہ ہوگا کیونکہ اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ ارباب اختیار حضرت حسین کی بیعت یا موت میں سے کسی ایک کے متمنی ہیں اسی لیے آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا لَا خَیْرَ فِی الْعَیْشِ بَعْدَ ھٰؤُلَاءِ کہ ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر باقی نہیں رہی۔

غم نصیبوں کا یہ قافلہ جب مقام ذی حشم پر پہنچا تو حُر بن یزید کے لشکر نے آپ کو گھیر لیا۔حضرت حسین نے فرمایا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ اہل کوفہ کے بلانے پر آیا ہوں۔اور اگر میرا آنا قبول نہیں تو پھر مجھے واپس جانے دو کیونکہ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مَیں امت میں کوئی فتنہ وفساد برپا ہونے سے ڈرتا ہوں اور کوئی جنگ کرنا یا خون بہانا نہیں چاہتا اور اگر میں مجبور بھی کر دیا گیا تو ہرگز جنگ میں ابتدا نہ کروں گا۔لیکن حر نے کہا کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے

ابن زیاد کے پاس پہنچادیں۔حضرت حسین کے انکار و مزاحمت کے باوجود حُر نے محاصرہ جاری رکھا۔ اسی حالت میں سفر کرتے ہوئے جب نینوا کے پاس پہنچے تو حُر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسین کو ایسے چٹیل میدان میں گھیر لو جہاں پانی یا پناہ کی جگہ نہ ہو۔ چنانچہ حُر نے اہل قافلہ کو کربلا کی سرزمین پر روک لیا۔ یہ 2 محرم اور سن 61 ہجری تھا۔ تین محرم کو عمرو بن سعد 4000 کا لشکر لے کر کربلا پہنچ گیا۔ عمرو نے آتے ہی حضرت حسین سے گفت وشنید کی اور پھر ابن زیاد کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کے شعلوں کو سرد کر دیا ہے اور حسین نے کہا ہے کہ یا تو مجھے کسی مقام جہاد پر جانے دیا جائے تا کہ میں اپنی جان راہ مولیٰ میں قربان کردوں۔ یا جہاں سے آیا ہوں وہیں پر واپس جانے دیا جائے اور اگر یہ قبول نہیں تو پھر یزید کے پاس بھیج دیا جائے تا کہ میں اس سے براہ راست بات کرسکوں۔ لیکن افسوس کہ ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن کے مشورہ پر ان تجاویز کو رد کرتے ہوئے سب سے پہلے بیعت یزید کا مطالبہ کیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس ظالم ابن زیاد نے سات محرم کو پیغام بھیجا کہ اہل قافلہ پر پانی بند کر دیا جائے چنانچہ وہ دریائے فرات جس کا پانی ہر چرند پرند کیلئے بھی میسر تھا، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل واولاد کے لئے بند کر دیا گیا اور فرات پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ لیکن یہ ظلم و بربریت بھی حضرت حسین کو جھکا نہ سکی اور ان کے اس اصولی موقف سے ہٹا نہ سکی۔ ''کہ انتخاب خلافت کا حق اہل ملک کو ہے۔ کوئی بیٹا اپنے باپ کے بعد بطور وراثت اس حق پر قابض نہیں ہوسکتا۔''

آخر 10 محرم کی وہ قیامت خیز گھڑی آ پہنچی جب ایک طرف چار ہزار سے زائدا فواج یزید اور دوسری طرف ستر سے کچھ زائد بے سروسامان صف آراء ہوئے۔ حضرت حسین ایک بار پھر لشکر یزید کے سامنے آئے اور اتمام حجت کرتے ہوئے اپنے آنے کی وجوہات اور پھر واپسی کی پیش کش دہرائی لیکن جواب ملا کہ سب سے پہلے یزید کی بیعت کرو۔ اس پر حضرت حسین سمجھ گئے کہ تقدیر مبرم ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رویاء میں دی گئی خبر کے مطابق شہادت مقدر ہے۔

چنانچہ حضرت حسین نے ان کو پر شوکت جواب دیتے ہوئے فرمایا خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ ان لوگوں کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے والا نہیں ہوں۔

اس کے بعد طبل جنگ بجا اور پھر دعوت مبارزت کے بعد عام لڑائی شروع ہوگئی۔ یہ قیامت کے لمحات تھے اور محشر کی گھڑی تھی۔ اہل بیت بے سروسامان شدت پیاس سے بے قرار لیکن پھر بھی مردانہ وار افواج یزید سے برسر پیکار تھے۔ قافلہ حسینی کے شہ سوار بے جگری سے داد شجاعت دیتے ہوئے کربلا کی سرزمین کو لہو رنگ کرتے رہے اور حسین کے بھائی، بھتیجے اور جوان لخت جگر ایک کے بعد ایک اپنی جانیں قربان کرتے چلے گئے۔ اور جب حسین ابن علی تنہا رہ گئے تو ہر ایک طرف سے دشمن امڈ پڑا۔ مگر یہ بلا کا شہ سوار، کوہ صبر وثبات آخر وقت تک میدان وغا میں ڈٹا رہا، یہاں تک کہ وقت عصر آ پہنچا۔ حسین شدت پیاس سے نڈھال جانب فرات بڑھے کہ پانی سے حلق تر کریں کہ اتنے میں ظالموں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور ان میں سے ایک نے تیر پیشانی پر چلایا تو چہرہ مبارک زخمی ہوگیا۔ دوسرے نے تلوار سے وار کیا تو ہاتھ اور بازو گھائل ہوگیا۔ پھر پے در پے حملے ہونے لگے اور جب آپ زخموں سے چور ہوکر میدان کربلا میں گر پڑے تو ایک بد بخت ظالم شخص سنان بن انس نے آگے بڑھ کر سر جسم اطہر سے جدا کر دیا۔

سر داد نداد دست در دست یزید

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔''

پھر فرمایا: ''یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کا قدر مگر وہی جو ان میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کرسکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔''

(مجموعہ اشتہارات، جلد 3، صفحہ 545)

......☆......☆......☆......

وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

(کلام مکرم میر اللہ بخش تسنیم صاحب مرحوم، پاکستان)

یتیموں غریبوں کا پیارا نبی ہے | شکستہ دلوں کا سہارا نبی ہے
جو بزمِ قدس کا دُلارا نبی ہے | جو دنیا کی آنکھوں کا تارا نبی ہے
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ میدان حکمت کا سالارِ لشکر | دیا ہم کو جس نے وہ قانون لاکر
سُوئے اِرتقا ہے جو قوموں کا رہبر | ہوئیں کامراں جس پر اقوام چل کر
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

بنی نوعِ انساں کا ہمدرد یکسر | کبھی بد دعا کی نہ جس نے کسی پر
رہا مانگتا جو ہدایت ہی اکثر | غم قوم میں آنکھ جس کی رہی تر
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ دُنیا میں وحدانیت کا منادی | وہ قوموں کی تخصیص جس نے اُڑا دی
وہ آکر جہاں میں یہ جس نے صدا دی | کہ ہر قوم میں رب نے بھیجے ہیں ہادی
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ تفسیر لو لاک ہے شان جس کی | ہے لفظوں میں تصویر قرآن جس کی
غلامی میں ہیں جن و انسان جس کی | ہیں کہلاتے امت مسلمان جس کی
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ جس نے پلٹ دی زمانے کی کایا | وہ بندوں کو مولا سے جس نے ملایا
وہ ذرّوں کو خورشید جس نے بنایا | شفیعِ مشفع وہ خیرُ البرایا
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

جمیلُ المناقب کریم السجایا | تمدن میں عورت کو جس نے بڑھایا
غلاموں کو پستی سے جس نے اُٹھایا | حکومت کا ڈھب وحشیوں کو سکھایا
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

دوئی بزم ہستی سے جس نے مٹائی | تھی پُشتوں سے آپس میں جن کی لڑائی
کہا یہ اور اُن میں کرادی صفائی | کہ مسلم سب آپس میں ہیں بھائی بھائی
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ تعلیم دی جس نے آکر وہ پیاری | کہ گھل مل گئیں ملتیں جس سے ساری
ہوئے ایک امریکی و مالاباری | یہ کہتا ہے چینی سے مل کر بخاری
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

کیا افشا حکمت کے رازوں کو جس نے | وہ محمودیاں دیں ایازوں کو جس نے
کُچلوا کے چڑیوں سے بازوں کو جس نے | کِیا دَم بخود فتنہ سازوں کو جس نے
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

کبھی جنگ میں کی نہ تھی جس نے سبقت | رہا عمر بھر داعیِ امن و راحت
صداقت کا حامی مجسم دیانت | وہ اعدا نے دی جس کے حق میں شہادت
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ جس نے دیا توڑ آذر کا تیشہ | کیا بُت گروں کو براہیم پیشہ
یہ تاثیر تھی جس کے دم میں ہمیشہ | بنے شیر قالین بھی شیر بیشہ
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ جنگوں کی صف میں بہادر سپاہی | عدالت میں تھا جس کی رنگِ الٰہی
فقیری سے سرشار تھی جس کی شاہی | ہے الفقر فخری کی جس پر گواہی
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

وہ تسنیمؔ گلزار وحدت کا مالی | نظر جس کی ہے روح کی تازہ حالی
ہیں جس کی شفاعت کے در پر سوالی | اقاصی اقارب ادانی اعالی
وہ پیارا محمدؐ ہمارا نبی ہے

آنحضرت ﷺ کا صحابہ کو نصیحت کا دلنشین انداز

(ایوب علی خان، مبلغ انچارج امرتسر، پنجاب)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ و نصیحت اور تربیت کا ایک اسلوب یہ تھا کہ آپ صحابہ کرام سے بسا اوقات سوال کرتے اور پھر خود ہی اُنہیں جواب سے بھی آگاہ فرماتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ صحابہ جواب دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں صحیح جواب سے آگاہ فرماتے۔ آنحضرت ﷺ کا وعظ و نصیحت کا یہ بہت ہی پیارا انداز ہے جو ہمیں احادیث کی کتب میں ملتا ہے۔ چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

ایک بار آپؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے خیال میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس زر و مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ نیکیاں کرنے والا تو ہے لیکن قیامت کے دن اس کے نامۂ اعمال میں یہ بھی ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی یا کسی پر تہمت لگائی اور یا کسی کا مال کھالیا یا کسی کا خون بہایا۔ اِس صورت میں اُس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو پھر ان لوگوں کی بدیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں منتقل کر دی جائیں گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار وہ شخص جہنم میں ڈالا جائے گا۔ آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو حقیقی معنوں میں مفلس ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب البر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے جو ایک مسلمان سے مشابہت رکھتا ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس درخت کے پتے جھڑتے نہیں۔ صحابہ کرام سوچ میں پڑ گئے۔ بعضوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا۔ عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے ذہن میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا لیکن میں کمسن تھا اس لیے بولنے کی جرأت نہ کرسکا۔ جب کوئی صحابی بتا نہ سکا تو صحابہ نے اپنے بہت ہی مودبانہ انداز میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ آپؐ ہی ارشاد فرمائیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے بعد میں ساری عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں۔ ہم نے عرض کیا جی حضور ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ تکیے کا سہارا لیے ہوئے تھے جوش میں آکر بیٹھ گئے اور بڑے زور سے فرمایا دیکھو! تیسرا بڑا گناہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔ آپؐ نے اس بات کو اتنی دفعہ دہرایا کہ ہم نے چاہا کہ کاش حضورؐ خاموش ہو جائیں۔ (بخاری، کتاب الادب)

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سواری کے گدھے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور میں پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ بندوں میں سے جو شرک کا مرتکب نہ ہوا سے سزا نہ دے۔ میں نے یہ سن کر عرض کیا میں سب لوگوں کو یہ خوشخبری نہ بتاؤں۔ آپؐ نے فرمایا رہنے دو، وہ یہ بات سن کر اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور ناسمجھی سے عمل چھوڑ دیں گے۔ (مسلم، کتاب الایمان)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ آگ کس پر حرام ہے؟ وہ حرام ہے اس شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے۔ یعنی نفرت نہیں کرتا۔ ان سے نرم سلوک کرتا ہے۔ ان کے لیے آسانی مہیا کرتا ہے اور سہولت پسند ہے۔ (ترمذی، صفۃ القیامہ)

حضرت ابو امامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ مجھ سے کون عہد باندھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان نے عرض کیا حضور مَیں عہد باندھنے کیلئے تیار ہوں۔ حضور صلی ﷺ نے فرمایا تو پھر عہد کرو کہ تم کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگو گے۔ اس پر ثوبان نے عرض کیا حضور! اس عہد کا اجر کیا ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ اس پر ثوبان نے حضور ﷺ کے اس عہد پر عمل کرنے کا اقرار کیا۔ ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ثوبان کو مکہ میں دیکھا کہ سخت بھیڑ کے باوجود سواری کی حالت میں اگر آپ کے ہاتھ سے چابک بھی گر جاتا تو خود اتر کر زمین پر سے اٹھاتے اور اگر کوئی شخص خود ہی انہیں چابک پکڑانا چاہتا تو نہ لیتے بلکہ خود اتر کر اٹھاتے۔ (الترغیب والترہیب، صفحہ 100، حدیقۃ الصالحین، صفحہ 725)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ اپنی پہلی حالت پر گھوم آیا جیسے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے جس میں سے چار احترام والے مہینے ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا قبیلہ مضر کا رجب۔ یعنی وہ جمادی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا اَے لوگو یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ اس کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ پھر آپ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے۔ ہمیں خیال ہوا کہ شاید آپ اس کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا یہ شہر مکہ مکرمہ نہیں؟ ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! پھر آپ نے پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ ہم نے خیال کیا شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ اس پر آپ نے فرمایا آج کے دن تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں تم پر حرام اور قابل احترام ہیں۔ بلکہ اسی طرح جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینہ میں واجب الاحترام ہے۔ اَے لوگو! عنقریب تم اپنے ربّ سے ملو گے وہ تم سے پوچھے گا کہ تم نے کیسے عمل کئے؟ دیکھو میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگ جاؤ اور آگاہ رہو تم میں سے جو یہاں موجود ہے ان لوگوں کو پیغام پہنچا دے جو کہ موجود نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس کو پیغام پہنچایا جائے وہ سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہو پھر آپ نے فرمایا کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا؟ آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔ ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ تعالیٰ گواہ رہنا۔

(مسلم، کتاب القیامۃ، بحوالہ حدیقۃ الصالحین، صفحہ 67)

حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا کام بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دُور رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایک بہت بڑی اور مشکل بات پوچھی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو یہ آسان بھی ہے۔ تُو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، نماز پڑھ، باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ، اگر زاد راہ ہو تو بیت اللہ کا حج کر۔ پھر آپؐ نے یہ فرمایا کیا میں بھلائی اور نیکی کے دروازوں کے متعلق تجھے نہ بتاؤں؟ سنو! روزہ گناہوں سے بچنے کی ڈھال ہے۔ صدقہ گناہ کی آگ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ رات کے درمیانی حصہ میں نماز پڑھنا اجر عظیم کا موجب ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں تم کو سارے دین کی جڑ بلکہ اس کا ستون اور اس کی چوٹی نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا دین کی جڑ اسلام ہے اسکا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا

میں تجھے اس سارے دین کا خلاصہ نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتائیے ۔آپؐ نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا اِسے روک رکھو۔ مَیں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس کا بھی ہم سے مؤاخذہ ہوگا۔آپؐ نے فرمایا تیری ماں تجھ کو گم کرے (عربی میں یہ محاورہ پیار ملے افسوس کے موقع پر بولتے ہیں) لوگ اپنی زبانوں کی کاٹی ہوئی کھیتیوں یعنی بُرے بول اور بے موقع باتوں کی وجہ سے ہی جہنم میں اوندھے منہ گرتے ہیں۔(ترمذی، کتاب الایمان، باب حرمۃ الصلوٰۃ، بحوالہ حدیقۃ الصالحین، صفحہ 651)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ کیا مَیں تمہیں ایک ایسی حدیث نہ سناؤں جو مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور جسے میرے بعد تمہیں کوئی اور نہیں بتائے گا۔ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم ختم ہوجائے گا جہالت کا دَور دَورہ ہوگا ۔ زنا بکثرت پھیل جائے گا۔ شراب عام پی جائے گی۔ مرد کم ہوجائیں گے اور عورتیں باقی بچ رہیں گی جس کی وجہ سے پچاس پچاس عورتوں کا ایک ہی نگران اور سرپرست ہوگا۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو غیبت کیا ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا۔ تُو اپنے بھائی کا اس انداز میں ذکر کرے جسے وہ پسند نہیں کرتا۔ عرض کیا گیا کہ حضور کا کیا خیال ہے کہ اگر وہ بات جو مَیں نے کہی ہے میرے بھائی میں پائی جاتی ہو۔آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ بات جو تُو نے کہی ہے تیرے بھائی میں موجود ہے تو تُو نے اس کی غیبت کی ہے اگر موجود نہیں ہے تو تُو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔
(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے آپؐ نے ایک انصاری کو بیٹھے دیکھا جس کا نام ابوامامہ تھا۔آپؐ نے فرمایا اے ابوامامہ کیا سبب ہے جو مَیں تم کو مسجد میں بیٹھا ہوا پاتا ہوں جبکہ نماز کا وقت بھی نہیں ہے۔ ابوامامہ نے کہا مجھ کو فکر نے اور قرضوں نے گھیر لیا ہے یا رسول اللہ۔آپؐ نے فرمایا بھلا مَیں تم کو چند کلمے نہ بتاؤں اگر تم ان کو کہو تو اللہ تمہارے غم غلط کرے اور تمہارا قرض ادا کردے۔ مَیں نے کہا کیوں نہیں ضرور بتائیے یا رسول اللہ۔آپؐ نے فرمایا صبح شام یہ کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

اَے اللہ مَیں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ہم و غم سے اور عاجزی اور سستی سے اور بزدلی سے اور بخل سے اور قرض کے بوجھ سے اور اس بات سے کہ لوگ مجھے ذلیل وخوار کریں۔ یعنی ذلّت ورسوائی سے اَے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابو امامہ نے کہا کہ مَیں نے اس دعا کو پڑھنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا غم دُور کردیا اور میرا قرض اُتار دیا۔

(سنن ابوداؤد، جلد اوّل، باب الاستعاذۃ)

......☆......☆......☆......

ارشاد باری تعالیٰ

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ

(سورۃ البقرۃ:46)

ترجمہ:اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو اور یقیناً یہ عاجزی کرنے والوں کے سوا سب پر بوجھل ہے

طالب دعا:
شیخ حسین (جماعت احمدیہ کیپٹن بنجرہ، ضلع کھمم)

ارشاد باری تعالیٰ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

(سورۃ البقرہ:58)

ترجمہ: جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ

طالب دعا:
شیخ سعید احمد (صدر جماعت احمدیہ کاسرلہ پہاڑ، ضلع نلگونڈہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سورۃ فاتحہ کے آئینہ میں

(کلام ظفر محمد ظفرؔ صاحب مرحوم ربوہ)

الحمد میں ہے مضمر احمد مقام تیرا
پردے میں لام کے ہے پوشیدہ نام تیرا

للہ محض للہ جینا ہو یا کہ مرنا
حمدِ خدا وظیفہ ہر صبح و شام تیرا

خود ربّ العالمیں نے دل تیرا دیکھ کر ہی
لِلْعَالَمِيْنَ رحمت رکھا ہے نام تیرا

رحمن مہرباں ہے جیسے کہ ہر بشر پر
ویسے ہی ہر بشر پر ہے فیض عام تیرا

تو رحیم مومنوں پر ماں باپ سے بھی بڑھ کر
رأفت ہے شان تیری رحمت مقام تیرا

تو مالکِ جزا کا مظہر ہے میرے آقا
لطف و کرم میں مضمر ہے انتقام تیرا

اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے معراج تو نے پایا
''اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ'' ہے ''اقصیٰ'' مقام تیرا

اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اعجاز ہے یہ سارا
ہر اک مہم میں ہونا فائز مرام تیرا

یہ دُعاءِ اِهْدِنَا ہے جس کے طفیل حق نے
بھیجا امام مہدی احمد غلام تیرا

امکان تھا کہ دشمن اس کو مٹا ہی دیتے
ہوتا اگر نہ آقا اس پر سلام تیرا

اب پُل صراط پر سے امّت گزر رہی ہے
لیتا ہے دستِ شفقت گِرتوں کو تھام تیرا

پھر مستقیم رہ پر چلنے کو کارواں ہے
پیشِ نظر ہے اس کے ہر آن گام تیرا

صد شکر ہے کہ ہم بھی انعام یافتہ ہیں
احسان ہے یہ ہم پر خیر الانام تیرا

مغضوب اور ضالیں مقہور ہی رہیں گے
جب تک پڑھیں نہ کلمہ پیارے امام تیرا

یہ تشنگی سے اپنی جانبر نہ ہو سکیں گے
جب تک نہیں پئیں گے پُر کیف جام تیرا

گورے ہوں یا کہ کالے بندے ہیں سب خدا کے
ہیں سارے بھائی بھائی یہ ہے پیام تیرا

کوئی نظامِ عالم خالی نہیں خلل سے
جو پاک ہے خلل سے وہ ہے نظام تیرا

تُو نورِ اوّلیں ہے تو ختمِ مرسلیں ہے
واللہ ہر نبی ہے ادنیٰ غلام تیرا

جیسے کہ عرش پر ہے ویسے ہی فرش پر بھی
بالا ہو بول تیرا اونچا ہو نام تیرا

جاتا ہے مال جائے جاتی ہے جان جائے
وہ وقت جلد آئے جلوہ ہو عام تیرا

کانٹے ہٹا رہے ہیں آنکھیں بچھا رہے ہیں
گلشن میں آکہ آیا وقتِ خرام تیرا

لاکھوں درود تجھ پر لاکھوں سلام تجھ پر
جیتے ہیں ہم جہاں میں لے لے کے نام تیرا

ہم حسبِ استطاعت تبلیغ کر رہے ہیں
کرنا مدد دعا سے آگے ہے کام تیرا

اللہ ہی جانتا ہے جذبات کا وہ عالم
جب بھی ظفرؔ محمد لیتا ہے نام تیرا

بقیہ اداریہ از صفحہ نمبر 1

ہوگئی۔اس نے محسوس کیا کہ اس کے سامنے خدا کا ایک نبی بیٹھا ہے جو اسرائیلی نبیوں کی سی زبان میں باتیں کرتا ہے۔اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جب اُس نے کہا نینوا کا،تو آپؐ نے فرمایا: وہ نیک انسان یونسؑ جومتی کا بیٹا تھا اور نینوا کا باشندہ،وہ میری طرح خدا کا ایک نبی تھا۔پھر آپؐ نے اس کو اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔عداس کی حیرانی چند ہی لمحوں میں تعجب سے بدل گئی،تعجب ایمان میں تبدیل ہوگیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اجنبی غلام آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گیا اور آپ کے سر اور ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔‘‘ (دیباچہ تفسیر القرآن،صفحہ 127،ایڈیشن 2002 قادیان)

قارئین غور فرمائیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خون سے تَر بتر ہیں،انتہائی تکلیف،زخموں سے چُور،شدید تھکاوٹ اور کمزوری کی حالت میں بھی آپؐ نے موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا اور عداس کو تبلیغ کر کے مسلمان بنا دیا اور اس کو آگ سے نجات دلائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضور اُحد والے دن سے بھی کوئی زیادہ تکلیف دِہ دن آپ پر آیا ہے؟ (جنگ اُحد میں حضور علیہ السلام کے دندان مبارک شہید ہوگئے تھے اور خُود کا ایک حصّہ سر میں گڑ گیا تھا) حضوؐر نے فرمایا عائشہ تمہاری قوم سے مجھے بہت سی تکلیفیں پہنچی ہیں لیکن عقبہ والے دن تو بہت ہی زیادہ تکلیف اٹھائی جبکہ پیغامِ حق پہنچانے کے لئے میں طائف میں ابن عبد یالیل (کنانہ) کے پاس گیا (کہ وہ یہاں کے لوگوں کو تشدّد سے باز رکھے اور تبلیغ حق کے سلسلہ میں میری مدد کرے) اس نے میری کوئی مدد نہ کی اور لوگوں کا تشدّد اس قدر بڑھا کہ میں شدّتِ غم اور تھکاوٹ کی وجہ سے یہ بھی نہ جان سکا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں یہاں تک کہ قرنِ ثعالب (ایک پہاڑی چٹان) کی اوٹ میں کچھ ستانے کیلئے بیٹھ گیا۔وہاں پر جب میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبرئیل ہے۔جبرئیل نے کہا کہ اللہ نے وہ تمام باتیں سُن لی ہیں جو تیری قوم نے تجھے کہی ہیں اور جو تکالیف تجھے پہنچائی ہیں۔میرے ساتھ اللہ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ جو بھی تم اس قوم کے بارہ میں فیصلہ کرو وہ اس کو بجالاوے۔پھر پہاڑ کے فرشتے نے بھی مجھے سلام کیا اور کہا کہ اے محمدؐ میں ملک الجبال ہوں اللہ نے تمہاری قوم کی باتیں جو تجھے کہی ہیں اور وہ تکالیف جو تجھے پہنچائی ہیں سن لی ہیں اور مجھے تمہاری مدد کے لئے بھیجا ہے۔آپ مجھے جو بھی حکم دیں گے وہ میں بجالاؤں گا۔اگر آپ کہیں کہ ان دو پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف کا شہر آباد ہے) آپس میں ملادوں اور اس کے درمیان رہنے والوں کو پیس دوں تو میں ایسا کردوں گا۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑوں کے فرشتے کو کہا مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کی نسل سے شرک سے بچنے والے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے والے افراد پیدا ہوں گے اس لیے میں ان لوگوں کو نیست و نابود کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

(مسلم کتاب الجہاد باب مَا لَقِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَذَى الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ) (بحوالہ کتاب ’’حدیقۃ الصالحین مصنفہ محترم مولانا ملک سیف الرحمٰن صاحب،حدیث نمبر 42)

قارئین کرام غور فرمائیے! جب پہاڑ کے فرشتوں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو طائف کے دونوں طرف کے پہاڑوں کو اُن کی گستاخی کی سزا میں ملادُوں اور ایک بھی اُن میں سے زندہ نہ رہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا؟ آپؐ نے فرمایا: ’’مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کی نسل سے شرک سے بچنے والے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے والے افراد پیدا ہوں گے۔‘‘ کیسی تڑپ تھی آپ کے دل میں کہ انسان اپنے حقیقی خالق و مالک کو پہچان لے اور ایک بھی مشرک دُنیا میں باقی نہ رہے۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 20/اپریل 2018 میں فرمایا:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بخدا تیرے ذریعہ ایک آدمی کا ہدایت پا جانا تیرے لئے اعلیٰ درجہ کے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بہتر ہے۔یہ دنیاوی مال و متاع اس بات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ تم تبلیغ کرو اور کسی کی ہدایت کا ذریعہ بنو۔اللہ تعالیٰ کے انعاموں کا وارث بننے کے لئے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم تبلیغ کریں اور دنیا کی ہدایت کے لئے وقت دیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں سیّدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور پُرنور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات کے مطابق ہم تبلیغ اور عمل صالح کے ذریعہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا سامان کرنے والے بنیں۔آمین۔(منصور احمد مسرور)

......☆......☆......☆......

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

’’حقیقت میں تو ہم احمدی ہونے کا حق اس وقت ادا کرسکیں گے جب ہم اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان سے روحانی حظّ اٹھانے والے ہونگے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 20/جنوری 2017)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

’’اگر ہم نے دین پر قائم رہنا ہے تو پھر ہمیں دینی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا۔‘‘

(خطبہ جمعہ 13/جنوری 2017)

’’جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اس کو ٹٹولنا چاہئے کہ کیا مَیں چھلکا ہی ہوں یا مغز؟ جب تک مغز پیدا نہ ہو ایمان،محبت،اطاعت،بیعت،اعتقاد،مریدی اور اسلام کا مدعی سچا مدعی نہیں ہے۔یاد رکھو کہ یہ سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور مغز کے سوا چھلکے کی کچھ بھی قیمت نہیں۔خوب یاد رکھو کہ معلوم نہیں موت کس وقت آجاوے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ موت ضرور ہے۔پس نرے دعویٰ پر ہرگز کفایت نہ کرو اور خوش نہ ہو جاؤ۔وہ ہرگز ہرگز فائدہ رساں چیز نہیں۔جب تک انسان اپنے آپ پر بہت سی موتیں وارد نہ کرے اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے وہ انسانیت کے اصل مقصد کو نہیں پا سکتا۔‘‘

(ملفوظات،جلد 1،صفحہ 416،مطبوعہ قادیان،ایڈیشن 2003ء)

ارشاداتِ عالیہ سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصّلٰوۃ و السّلام

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَیں اس وقت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوحِ محفوظ میں خاتم النبیین
قرار پایا ہوں جب کہ آدم ابھی تخلیق کے مراحل میں تھے۔ (مسند احمد)

طالب دعا: محمد منیر احمد، امیر ضلع نظام آباد (صوبہ تلنگانہ)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کیلئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے
یعنی میں اچھے اور اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ (مؤطا امام مالک)

طالب دعا: محمد معین الدین، صدر جماعت احمدیہ کاماریڈی (تلنگانہ)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے لوگو اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو کیونکہ آدمی کی
سب سے افضل نماز وہ ہے جو وہ گھر میں پڑھتا ہے سوائے فرض ماز کے۔ (بخاری)

طالب دعا: افراد خاندان و فیملی مکرم ایڈووکیٹ آفتاب احمد تیماپوری مرحوم، حیدرآباد

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
باجماعت نماز اکیلی نماز پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔
(بخاری کتاب الاذان)

طالب دعا: افراد خاندان مکرم جے وسیم احمد صاحب مرحوم (چنتہ کنٹہ)

کلامُ الامام

’’دُعا اپنی زبان میں بھی کر سکتے ہو بلکہ چاہئے کہ
مسنون ادعیہ کے بعد اپنی زبان میں آدمی دعا کرے۔‘‘
(ملفوظات، جلد 3، صفحہ 4)

طالب دُعا: مقصود احمد ڈار ولد مکرم محمد شہبان ڈار، ساکن شورت، تحصیل و ضلع کولگام (جموں کشمیر)

کلامُ الامام

’’زندہ نبی وہی ہو سکتا ہے جس کے
برکات اور فیوض ہمیشہ کیلئے جاری ہوں۔‘‘
(ملفوظات جلد 4، صفحہ 629)

طالب دعا: ناصر احمد ایم.بی (R.T.O) ولد مکرم بشیر احمد ایم.اے (جماعت احمدیہ بنگلور، کرناٹک)

کلامُ الامام

’’اگر اللہ کے ساتھ صدق و وفا میں ترقی کرے تو نُورٌ عَلٰی نُور۔‘‘
(ملفوظات، جلد 3، صفحہ 48)

طالب دُعا: الٰہ دین فیملیز، بیرون ممالک کے عزیز رشتہ دار و دوست نیز مرحومین کرام

کلامُ الامام

’’قرآن شریف کے سمجھنے اور اس کے
موافق ہدایت پانے کیلئے تقویٰ ضروری اصل ہے۔‘‘
(ملفوظات، جلد 5، صفحہ 121)

طالب دُعا: نصیر احمد، جماعت احمدیہ بنگلور (صوبہ کرناٹک)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

’’مشکل حالات سے نکلنے کا صرف
یہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکیں۔‘‘
(خطبہ جمعہ فرمودہ 10/مارچ 2017)

طالب دُعا: مقصود احمد قریشی ولد مکرم محمد عبید اللہ قریشی اینڈ فیملی و افراد خاندان (جماعت احمدیہ بنگلور)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

’’زیادہ سے زیادہ واقفین نو کو
جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے آنا چاہئے۔‘‘
(خطبہ جمعہ فرمودہ 10/مارچ 2017)

طالب دُعا: ایم خلیل احمد (امیر ضلع شموگہ) صوبہ کرناٹک

اخبار بدر اپنی ویب سائٹ www.akhbarbadrqadian.in پر بھی دستیاب ہے قارئین استفادہ کر سکتے ہیں۔(ایڈیٹر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۝

اور اگر وہ بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اسے ضرور داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم یقیناً اس کی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ (سورۃ الحاقۃ 45 تا 47)

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام بانی مسلم جماعت احمدیہ نے اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے رُوحانی تعلق پر متعدد مرتبہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بتایا ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔ ایسے اکثر و بیشتر ارشادات کو یکجا کر کے ایک کتاب

"خدا کی قسم"

کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ کتاب حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات بذریعہ پوسٹ کارڈ/ای میل **مفت** کتاب حاصل کریں۔

E-Mail : ansarkkq@gmail.com
Ph : 01872-220186, Fax : 01872-224186
Postal-Address:Aiwan-e-Ansar,Mohalla Ahmadiyya,Qadian-143516,Punjab
For On-line Visit :https//:www.alislam.org/urdu/pdf/khuda-ki-qasam.pdf

Prop : HAMEED AHMAD GHOURI
Add : Beside Andhra Bank, Balapur X Road, Hyderabad (T.S)
Mobile : 09849297718

R. Subba Rao
Telengana Distributor
Mob : 9949412352
9492707352

Prevent Punctures For Tyres with Tubes and Tubeless
RS TRADERS
Office : Flat No G-5, Manikanta Paradise
Dwarakanagar, Boduppi, Rangareddy, Telangana - 500 092
E-mail: seelinhyd@gmail.com website: www.seelin.in

SUIT SPECIALIST
Proprietor
SYED ZAKI AHMAD
Bandra, Mumbai
Mobile : 09867806905

UNIKCARE HOSPITAL

Dr. M.A.Razak (MBBS,DNB(Med)FCCP FIAG)
Consulting Physician & Director
New Mallepally, Hyderabad (T.S)
e-mail : drmarazak@rediffmail.com
Mobile : 9866320619 Office :040-23237021

JMB RICE MILL (Pvt) Ltd.

Love For All, Hatred For None

AT. TISALPUR. P.O RAHANJA
DIST. BHADRAK, PIN-756111
STD: 06784, Ph: 230088
TIN : 21471503143
JMB

Baseer Ahmed +91-95053-05382
CCTV FOR HOME SECURITY
Santosh Nagar, Hyderabad
baseernafe.ahmed@gmail.com

وَسِّعْ مَكَانَكَ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

G.M. BUILDERS & DEVELOPERS
RAICHURI CONSTRUCTION
SINCE 1985
OFFICE:
PLOT NO.6 DURGA SADAN TARUN BHARAT CO.OP
HSG. SOC, NEAR CIGARETTE FACTORY,
CHAKALA, ANDHERI (EAST), MUMBAI-400069
TEL 28258310, MOB. 09987652552
E-MAIL: RAICHURI.CONSTRUCTION@GMAIL.COM

99633 83271 Pro. SK.Sultan 97014 62176
Oxygen Nursery
All kind of Plants are Available.
Rajahmundry
Kadiyapu lanka, E.G.dist.
Andhra Pradesh 533126.
#email. oxygennursery786@gmail.com
Love for All, Hatred for None

JANIC
CONSTRUCTION PVT. LTD
Mohammad. Janealam Shaikh
وَسِّعْ مَكَانَكَ الہام حضرت مسیح موعود
E-Mail id : janicconstruction@gmail.com
Mobile No: 09082768330, 09647960851
Res : Mazagaon, Mumbai - 400010

MUZAMMIL AHMED
Mobile: +91 99483 70069
konarknursery@gmail.com
www.facebook.com/konarknursery
www.konarknursery.com
Plants for Seasons & Reasons...

J.K. Jewellers - Kashmir Jewellers
جے کے جیولرز۔ کشمیر جیولرز
چاندی اور سونے کی انگوٹھیاں خاص احمدی احباب کیلئے
Shivala Chowk Qadian (India)
Ph. (S) 01872 -224074, (M) 98147-58900,
E-mail: jk_jewellers@yahoo.com
Mfrs & Suppliers of : Gold and Silver Diamond Jewellery

Printed & Published by: Jameel Ahmed Nasir on behalf of Nigran Board of Badar. Name of Owner: Nigran Board of Badar.
And printed at Fazle-Umar Printing Press, Harchowal Road, Qadian, Distt. Gurdaspur-143516, Punjab.
And published at office of the Weekly Badar Mohallah - Ahmadiyya, Harchowal Road, Qadian Distt. Gsp-143516, Punjab. India. Editor:Mansoor Ahmad

مورخہ 12؍مئی 2018 کو مسجد بیت المقیت Walsall (انگلستان) کی افتتاحی تقریب کی خوبصورت تصاویر

مورخہ 4؍مارچ 2018 کو لندن میں ہیومینٹی فرسٹ انٹرنیشنل کانفرنس کی بعض اہم تصاویر

EDITOR
MANSOOR AHMAD
Tel : (0091) 82830-58886
Website : akhbarbadrqadian.in
: www.alislam.org/badr
E-mail :
badrqadian@rediffmail.com

Registered with the registrar of the newspapers for India at No. RN 61/57

ہفت روزہ بدر قادیان

Weekly **BADAR** Qadian

Qadian - 143516 Distt. Gurdaspur (Pb.) INDIA

Vol. 67 Thursday 21-28 June 2018 Issue No. 25-26

MANAGER
NAWAB AHMAD
Tel : (0091) 94170-20616
SUBSCRIPTION
ANNUAL: Rs. 700
By Air : 50 Pounds or 80 U.S $
: 60 Euro or 80 Canadian Dollars

ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

’’اَے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اَے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا **حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** ہے، جس کی رُوحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم رُوح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔‘‘ (تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد 15، صفحہ 141)

یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے

’’نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اِسی دُنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رُتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زِندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے۔‘‘ (کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 13)

جمیل احمد ناصر پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائیٹر: ۔نگران بدر بورڈ قادیان